سلسلۂ درسِ حدیث (۲)

فضائلِ قرآن

مشکوٰۃ المصابیح کے باب کتاب فضائل القرآن
کے
عام فہم مطالب

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی

جمع و تدوین
حفیظ الرحمٰن احسن

البدر پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

جدید ایڈیشن طبع اول	نومبر ۱۹۹۹ء
ناشر	عبدالحفیظ احمد
عمل سرورق	ارشد کمال
کمپوزنگ	حماس کمیونیکیشنز' لاہور
مطبع	اے این اے پرنٹرز' لاہور
قیمت	-/45 روپے

البدر پبلیکیشنز

۲۳۔ راحت مارکیٹ' اردو بازار لاہور

فون: 7225030

فہرست

فصل اول

فصل ثانی

باب

فصل اول

فصل ثانی

باب

فصل اول

فصل ثانی

فصل ثالث

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

عرض مرتب

"کتاب الصوم" کے بعد "فضائل قرآن" قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ "کتاب الصوم" کی طرح یہ کتاب بھی مخدومی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کے ہفتہ وار دروس حدیث سے مرتب کی گئی ہے۔ یہ درس اس سے پہلے ہفت روزہ "آئین" لاہور میں شائع ہوئے تھے۔ اب ان پر مزید نظر ثانی کرنے کے بعد ان کو پہلی مرتبہ کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس موقع پر دو امور کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے:

اولاً یہ کہ اس کتاب کو مولانائے محترم کی اپنی تحریر کی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ مرتب نے تقریری مواد کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے تحریر کے سانچے میں ڈھالا ہے۔

ثانیاً یہ کہ پیش نظر دروس حدیث کو ان درسوں پر قیاس نہ کیا جائے جو دینی مدارس میں حدیث کے طالب علموں کے سامنے دیئے جاتے ہیں' بلکہ یہ درس ہفتہ

وار اجتماعات میں افادہ عام کے لیے دیے گئے تھے اور ان میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور ضرورت کو ملحوظ رکھ کر مطالب حدیث کی وضاحت کی گئی تھی۔ (ہفتہ وار درس قرآن و حدیث کا یہ سلسلہ سالہا سال جاری رہنے کے بعد ستمبر ۱۹۶۹ء میں مولانائے محترم کی کمزور صحت کی بنا پر موقوف ہو گیا)۔

افسوس ہے کہ "کتاب الصوم" کی طرح یہ مجموعہ بھی سید محترم کی نظر ثانی کے بغیر شائع کرنا پڑ رہا ہے۔ راقم الحروف کی یہ دلی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے مولانائے محترم کو اتنی صحت و قوت سے نواز دے کہ وہ حدیث کے ان تشریحی مجموعوں پر مکمل نظر ثانی فرما سکیں تاکہ ان کا علمی پایہ اعتبار موصوف کی دوسری علمی و تحقیقی تصنیفات کے معیار تک پہنچ جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ........ اہل علم سے میری یہ گزارش ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کوئی علمی فروگزاشت پائیں تو اسے میری کوتاہی علم پر محمول کریں اور مجھے اس سے آگاہ کر کے ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ طباعت کے موقع پر اس کی اصلاح و تلافی کی کوشش کر سکوں۔

خدائے بزرگ و برتر کے حضور میری یہ دعا ہے کہ اس کتاب کی جمع و تدوین کے سلسلے میں مجھ سے جو تھوڑی بہت محنت و کوشش بن پڑی ہے وہ اسے شرف قبول سے نوازے اور حدیث رسول مقبول ﷺ کی تشریح و تفہیم کے اس گلدستے کو اسی طرح مفید و نافع بنائے جس طرح اس نے سید محترم کے دوسرے دینی سرمایہ علم کو اس شرف خاص سے مشرف فرمایا ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ پیش نظر کتاب 'حدیث نبوی ﷺ کے مشہور و مقبول مجموعے مشکوٰۃ المصابیح کے جزء "کتاب فضائل قرآن" میں سے منتخب احادیث کی تشریح پر مشتمل ہے۔ احادیث کے آغاز میں جو عنوان لکھے گئے ہیں وہ مشکوٰۃ کے متن کا حصہ نہیں ہیں بلکہ یہ راقم الحروف نے احادیث کے اہم مضامین کی رعایت سے خود قائم

کیے ہیں۔

جیسا کہ "کتاب الصوم" کے دیباچے میں عرض کرچکا ہوں' مولانائے محترم کے دروس حدیث کی ترتیب واشاعت کے حقیقی محرک جناب مظفر بیگ صاحب' مدیر "آئین" لاہور ہیں جنھوں نے اپنے موقر جریدے میں اس کی اشاعت کا سلسلہ شروع کرکے میرے لیے یہ موقع پیدا کیا کہ اپنی علمی کم مائگی کے باوجود یہ اہم خدمت انجام دینے کی سعادت حاصل کرسکوں..... فضائل قرآن کی اشاعت کی ذمہ داری عزیزم جناب عبدالحفیظ احمد' البدر پبلیکیشنز لاہور نے قبول کی اور اس سے بطریق احسن عہدہ برآ ہوئے۔ میں اپنے ان دونوں دوستوں کا بے حد ممنون ہوں۔

لاہور' ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ

(۳۰' اگست ۱۹۷۷ء)

احقر

حفیظ الرحمٰن احسن

مِشْکٰوۃُ الْمَصَابِیْح

پیش نظر کتاب حدیث نبوی ﷺ کے مشہور مجموعہ مِشْکٰوۃُ الْمَصَابِیْح کے ایک جزء "کتاب فضائل القرآن" کی تشریح پر مشتمل ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مِشْکٰوۃُ الْمَصَابِیْح کا مختصر سا تعارف کرا دیا جائے

مِشْکٰوۃُ الْمَصَابِیْح آٹھویں صدی ہجری کے ایک متبحر عالم و فقیہ اور جلیل القدر محدث ولی الدین محمد بن عبد اللہ تبریزی(1) کی نادر تالیف ہے۔ اس کی بنیاد مشہور محدث، مفسر اور فقیہ امام بغوی" (2) کے مرتب کردہ مجموعہ حدیث "مَصَابِیْحُ السُّنَّۃ" پر رکھی گئی ہے، جس کی تہذیب و اصلاح کر کے مزید احادیث کے اضافے سے نیا مجموعہ مِشْکٰوۃُ الْمَصَابِیْح کے نام سے ترتیب دیا گیا۔

مِشْکٰوۃُ الْمَصَابِیْح اور اس کے مولف علامہ تبریزی" کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ یہ کتاب انہوں نے اپنے جلیل القدر استاد علامہ حسین بن عبد اللہ الطیبی" (3) کے مشورے اور ایماء پر مرتب کی، اور جب یہ مرتب ہو چکی تو ان کے استاذ

(1) افسوس ہے کہ آپ کی تاریخ ولادت و وفات کی تحقیق نہیں ہو سکی۔ تاہم یہ معلوم ہے کہ وہ مشکوۃ کی تالیف سے ۷۳۷ھ میں فارغ ہوئے۔

(2) محی السنہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، وفات ۵۱۶ھ

(3) وفات ۷۴۳ھ

محترم نے خود اس کی ایک جامع شرح "اَلْکَاشِفُ عَنْ حَقَائِقِ السُّنَنِ" کے نام سے تحریر کی۔

مِشْکٰوۃُ الْمَصَابِیْح کی اہمیت اور خصوصیات کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ امام بغویؒ کی مصابیح السنۃ کی خصوصیات پر ایک نظر ڈال لی جائے:

☆ مصابیح السنہ میں احادیث کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع کیا گیا تھا اور ہر باب میں دو فصلیں قائم کی گئی تھیں۔ ایک فصل میں صرف امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی روایت کردہ احادیث جمع کی گئی تھیں اور دوسری فصل میں ابو داؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، بیہقیؒ اور دارقطنیؒ وغیرہم کی روایات کو جگہ دی گئی تھی۔

☆ صاحب مصابیح نے احادیث کو ان کے راویوں اور متعلقہ کتب احادیث کے حوالے کے بغیر جمع کیا تھا۔ اس سے طالبان حدیث کو ان احادیث کے مصادر و مآخذ کا پتہ لگانے، اور باعتبار سند ان کی صحت اور مقام و مرتبہ کے تعین میں مشکل پیش آتی تھی۔

مَصَابِیْحُ السُّنۃ کے مقابلے میں مِشْکٰوۃُ الْمَصَابِیْح میں:

☆ صاحب مشکوۃ نے مصابیح السنہ کی پہلی دو فصلوں پر ایک تیسری فصل کا اضافہ بھی کیا ہے، اور احادیث کا انتخاب کرتے ہوئے صحاح ستہ (بخاری، مسلم، نسائی، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ) کے علاوہ "شُعَبُ الْاِیْمَان" لِلْبَیْہَقِیّ، مسند امام احمدؒ اور مسند رزینؒ وغیرہا کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اس طرح موضوع کی مناسبت سے بہت سی مزید اہم احادیث اس مجموعہ میں آ گئی ہیں۔ مصابیح میں احادیث کی تعداد ۴۴۳۴ تھی جبکہ مشکوۃ میں یہ تعداد ۵۹۴۵ ہو گئی۔

چونکہ مِشْکٰوۃُ الْمَصَابِیْح تمام مستند کتب احادیث کا ایک مختصر لیکن جامع

اور رفیع انتخاب ہے' اس لیے اس کو طلبہ حدیث' علماء اور عام مسلمانوں میں جو قبول عام حاصل ہوا وہ اس نوع کی کم ہی کتابوں کو نصیب ہوا ہے۔ یہ کتاب مختلف فقہی مکاتب فکر میں یکساں مقبول و مروج ہے اور دینی درس گاہوں میں عام طور پر سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی مقبولیت اور اہمیت کا اندازہ ان شرحوں سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو اب تک عربی' اردو اور بعض دوسری زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ کتب حدیث میں صحیحین کے بعد یہ اعزاز اسی کتاب کو حاصل ہوا ہے۔

عربی شرحوں میں علامہ الطیبی ؒ کی شرح (جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے)' **مِرْقَاةُ الْمَفَاتِيح** (ملا علی قاری ؒ) **لَمْعَات** (شیخ عبد الحق محدث دہلوی ؒ)' **التَّعْلِيقُ الصَّبِيح** (مولانا محمد ادریس کاندھلوی) اور **مِنْهَاجُ الْمِشْكٰوة** (عبد العزیز الابہری ؒ) اہم ہیں۔ فارسی میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی ؒ کی شرح **اَشِعَّةُ اللَّمْعَات** معروف ہے۔ اردو میں مولانا عبد الغفور غزنوی ؒ کا ترجمہ و حواشی (جو آج کل نایاب ہے)'..... اور مولانا قطب الدین ؒ کی مظاہر حق قابل ذکر ہیں۔ ایک انگریزی ترجمہ بھی ۱۸۰۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔ قریبی زمانے میں پروفیسر عبد الحمید صدیقی صاحب نے بھی مشکوۃ شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ ترجمہ جلد شائع ہو جائے گا۔

مِشْكٰوةُ الْمَصَابِيح کے مختلف اجزاء پاکستان کے مختلف تعلیمی نصابوں میں شامل ہیں۔

(مرتب)

ابتدائیہ

قرآن مجید کی عظمت اور آفاقیت

مجید کا لفظ عربی زبان میں دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک بلند مرتبہ 'باعظمت' بزرگ اور صاحب عزت و شرف۔ دوسرے کریم 'کثیرالعطاء' بہت نفع پہنچانے والا۔ قرآن کے لیے یہ لفظ ان دونوں معنوں میں استعمال فرمایا گیا ہے۔ قرآن اس لحاظ سے عظیم ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کے مقابلے میں نہیں لائی جا سکتی۔ اپنی زبان اور ادب کے لحاظ سے بھی وہ معجزہ ہے اور اپنی تعلیم اور حکمت کے لحاظ سے بھی معجزہ۔ جس وقت وہ نازل ہوا تھا اس وقت بھی انسان اس کے مانند کلام بنا کر لانے سے عاجز تھے اور آج بھی عاجز ہیں۔ اس کی کوئی بات کسی زمانے میں غلط ثابت نہیں کی جا سکی ہے نہ کی جا سکتی ہے۔ باطل نہ سامنے سے اس کا مقابلہ کر سکتا ہے نہ پیچھے سے حملہ آور ہو کر اسے شکست دے سکتا ہے اور اس لحاظ سے وہ کریم ہے کہ انسان جس قدر زیادہ اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرے اسی قدر زیادہ وہ اس کو رہنمائی دیتا ہے اور جتنی زیادہ اس کی پیروی کرے اتنی ہی زیادہ اسے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں حاصل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس کے فوائد و منافع کی کوئی حد نہیں ہے جہاں جا کر انسان اس سے بے نیاز ہو سکتا ہو۔ یا جہاں پہنچ کر اس کی نفع بخشی ختم ہو جاتی ہو۔

قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوع انسانی کے افکار، اخلاق، تہذیب اور طرز زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا۔ کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو۔ پھر یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی نہیں رہ گئی ہے بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور ایک مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے، چودہ سو برس سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے، اور روز بروز اس کے یہ اثرات پھیلتے جا رہے ہیں۔

جس موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ ازل سے ابد تک پوری کائنات پر حاوی ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس کائنات کا خالق اور ناظم و مدبر کون ہے، کیا اس کی صفات ہیں، کیا اس کے اختیارات ہیں، اور وہ حقیقت نفس الامری کیا ہے جس پر اس نے یہ پورا نظام عالم قائم کیا ہے۔ وہ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اسکا مقام ٹھیک ٹھیک مشخص کر کے بتاتی ہے کہ یہ اس کا فطری مقام اور یہ اس کی پیدائشی حیثیت ہے جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لیے فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے جو حقیقت سے پوری مطابقت رکھتا ہے اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں۔ صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظام کائنات کے ایک ایک گوشے سے، انسان کے اپنے نفس اور اس کے وجود سے اور انسان کی اپنی تاریخ سے بے

شمار دلائل پیش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیسے اور کن اسباب سے پڑتا رہا ہے۔ اور صحیح راستہ' جو ہمیشہ سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہے گا' کس ذریعہ سے اس کو معلوم ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر زمانے میں اس کو بتایا جاتا رہا ہے۔ وہ صحیح راستے کی طرف نشاندہی کر کے ہی نہیں رہ جاتی بلکہ اس راستے پر چلنے کے لیے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد' اخلاق' تزکیہ نفس' عبادات' معاشرت' تہذیب' تمدن' معیشت' سیاست' عدالت' قانون' غرض حیات انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں وہ پوری تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے کہ اس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور ان غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اس دنیا میں ہیں اور کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالم میں رونما ہونے والے ہیں۔ وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرا عالم برپا ہونے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے' اس تغیر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے' دوسرے عالم کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے' اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہاں انسان کیسے ایک دوسری زندگی پائے گا کس طرح اس کی دنیوی زندگی کے اعمال کا محاسبہ ہو گا' کن امور کی اس سے باز پرس ہو گی' کیسی ناقابل انکار صورت میں اس کا پورا نامۂ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ کیسی زبردست شہادتیں اس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی' جزا اور سزا پانے والے کیوں جزا اور سزا پائیں گے' جزا پانے والوں کو کیسے انعامات ملیں گے اور سزا پانے والے کس کس شکل میں اپنے اعمال کے نتائج بھگتیں گے۔ اس وسیع مضمون پر جو کلام اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنف کچھ صغریٰ' کبریٰ جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے' بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت کا براہ

راست علم رکھتا ہے' اس کی نگاہ ازل سے ابد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ تمام حقائق اس پر عیاں ہیں' کائنات پوری کی پوری اس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے' نوع انسانی کے آغاز سے اس کے خاتمہ تک ہی نہیں بلکہ خاتمہ کے بعد اس کی دوسری زندگی تک بھی وہ اس کو بیک نظر دیکھ رہا ہے' اور قیاس و گمان کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ جو تصور کائنات و انسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام مظاہر اور واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے اور ہر شعبہ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے۔ فلسفہ و سائنس اور علوم عمران کے تمام آخری مسائل کے جوابات اس کے کلام میں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل' مربوط اور جامع نظام فکر قائم ہوتا ہے۔ پھر عملی حیثیت سے جو رہنمائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو دی ہے وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں بلکہ چودہ سو سال سے روئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجربے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔ کیا اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دنیا میں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے جسے اس کتاب کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہو؟ (تفہیم القرآن سے اقتباسات)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۔ معلّم قرآن کی فضیلت

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَه۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور (دوسروں کو) اس کی تعلیم دیں۔ (بخاری)

نبی ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ پہلے قرآن مجید سے خود تعلیم ہدایت حاصل کریں اور اس کے بعد خلق خدا تک اس کو پہنچانے کا فریضہ انجام دیں وہ تمہارے اندر سب سے بہتر انسان ہیں۔

ایک شخص تو وہ ہے کہ جب اللہ کی ہدایت اس کے پاس پہنچے تو وہ اس کے مطابق اپنی زندگی کی اصلاح کرے' یقیناوہ بھی اچھا انسان ہے' لیکن اس سے اور باقی سب انسانوں سے بہتر انسان وہ ہے اللہ کی ہدایت پاکر نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی کو اس

کے مطابق درست کرے بلکہ خلق خدا تک بھی اس تعلیم کو پہنچانے کی کوشش کرے تاکہ دوسروں کی زندگی کی اصلاح بھی ہو سکے۔

۲۔ قرآن کی تعلیم دینا' دنیا کے بہترین مال و دولت سے بہتر ہے

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنْ يَّغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ اِلٰى بُطْحَانَ اَوِ الْعَقِيْقِ فَيَاْتِيَ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ فِيْ غَيْرِ اِثْمٍ وَلَا قَطْعِ رَحِمٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُلُّنَا نُحِبُّ ذٰلِكَ' قَالَ اَفَلَا يَغْدُوْ اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَيُعَلِّمُ اَوْ يَقْرَاُ اٰيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَثَلَاثٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلَاثٍ وَاَرْبَعٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَرْبَعٍ وَمِنْ اَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْاِبِلِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز جبکہ ہم صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ اپنے حجرہ مبارک سے نکل کر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ وہ ہر روز بطحان یا عقیق جائے اور وہاں سے بڑے کوہان والی دو اونٹنیاں لے آئے بغیر اس کے کہ اس نے کوئی گناہ یا قطع رحم کا فعل کیا ہو؟ ہم نے عرض کیا' یا رسول اللہ' ہم میں سے تو ہر ایک یہ بات چاہتا ہے تب آپ نے فرمایا' کہ تم میں سے ایک شخص مسجد میں جائے اور لوگوں کو دو آیتیں پڑھ کر سنائے تو یہ اس

سے بہتر ہے کہ اسے روزانہ دو اونٹنیاں میسر آئیں۔ اگر وہ تین آیتیں پڑھ کر سنائے تو یہ تین اونٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔ اگر چار آیتیں پڑھ کر سنائے تو یہ چار اونٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔ اسی طرح جتنی آیتیں سنائے وہ اتنی ہی اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ (مسلم)

صفہ سے مراد وہ چبوترہ ہے جو مسجد نبوی ﷺ کے ساتھ بنا کر اس پر ایک چھپر ڈال دیا گیا تھا۔ یہاں وہ لوگ قیام پذیر تھے جو مکہ معظمہ سے یا عرب کے دوسرے حصوں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آگئے تھے۔ ان کا نہ کوئی ٹھکانا تھا اور نہ ذریعہ معاش۔ مدینے کے لوگ اور دوسرے مہاجرین جو کچھ بھی ان کی مدد کر سکتے تھے کر دیتے تھے۔ اس سے ان کی گزر بسر کا سامان ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے مستعد رہتے تھے۔ اس طرح یہ گویا ایک مستقل والنٹیئر فورس تھی جسے حضور ﷺ جس خدمت کے لیے اور جس مہم پر جب چاہتے بھیج دیتے تھے۔

بطحان اور عقیق مدینہ طیبہ سے متصل دو وادیاں ہیں، ایک جنوب میں اور دوسری شمال مغرب میں.... اس زمانے میں ان دونوں مقامات پر اونٹوں کی فروخت کی منڈی لگا کرتی تھی۔ حضور ﷺ نے ان اصحاب صفہ کو جو بالکل بے سروسامان تھے، مخاطب کر کے کہا کہ بھئی تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ روز بطحان یا عقیق جائے اور بڑے بڑے کوہان والی دو اونٹنیاں مفت لے آئے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ، ہم میں سے ہر کوئی یہ بات چاہتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی کو دو آیتیں سنائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے دو عمدہ قسم کی اونٹنیاں مفت مل جائیں۔ اسی طرح وہ جتنی آیتیں کسی کو سنائے گا وہ اس کے لیے

اتنی ہی اونٹنیاں پالینے سے بہتر ہے۔

دیکھیے' رسول اللہ ﷺ کا طریق تربیت کیسا انوکھا تھا..... آپ ﷺ یہ جانتے تھے کہ یہ اصحاب صفہ صرف اس وجہ سے اپنے گھربار چھوڑ کر آئے ہیں کہ انہوں نے اللہ کا دین اختیار کرلیا تھا اور دنیا کو وہ دین پسند نہ تھا' مجبوراً انہیں اپنے گھر بار چھوڑنے پڑے۔ ان کی اس بے سروسامانی کی حالت میں یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ شیطان انکے دلوں میں وسوسہ اندازی کرے کہ تم نے خواہ مخواہ اپنے گھربار چھوڑے اور غربت کی زندگی اختیار کی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کمال حکمت سے ان کے ذہن کو اس طرف موڑ دیا کہ اگر دو اونٹنیاں روز مفت تمہارے ہاتھ آئیں تو اس سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ تم اللہ کے بندوں کو قرآن سناؤ اور اس کی تعلیم دو۔ دوسرے لوگوں کو جاکر تین آیتیں سکھاؤ گے تو یہ تین اونٹنیاں پالینے سے بہتر ہے۔ اس طرح یہ بات ان کے ذہن نشین کردی گئی کہ اگر تم خدا کے دین پر ایمان لائے ہو اور اسی دین کی خاطر ہجرت اختیار کرکے آئے ہو تو اس کے بعد تمہارا وقت اسی دین کے کام میں صرف ہونا چاہیئے۔ تمہیں متاع دنیا حاصل کرنے کی خواہش کرنے کے بجائے اپنا وقت خدمت دین کے کام میں صرف کرنا چاہیئے تاکہ خدا سے تمہارا تعلق زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو اور خلق خدا کو راہ راست دکھا کر تم اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کے زیادہ سے زیادہ مستحق بن سکو۔

یہی لوگ تھے جنہیں آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر و ایثار کے نتیجے میں سلطنتوں کا مالک بنادیا اپنی زندگی ہی میں انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ اگر انسان صبر کے ساتھ یہ راستہ اختیار کرے تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

۴۔ قرآن..... سب سے بڑی دولت

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰی اَھْلِہٖ اَنْ یَّجِدَ فِیْہِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ ' قُلْنَا نَعَمْ ' قَالَ فَثَلَاثُ اٰیَاتٍ یَقْرَأُ بِھِنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِہٖ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جائے تو وہ دیکھے کہ اس کے ہاں تین حاملہ ' بڑی جسیم اور فربہ اونٹنیاں کھڑی ہیں؟ ہم نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ' ہم یہ چاہتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین آیتیں ' جو تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں پڑھے ' یہ اس کے لیے اس سے زیادہ بہتر ہیں کہ وہ اپنے گھر پر تین ایسی حاملہ جسیم اور فربہ اونٹنیاں پائے۔ (مسلمؒ)

بڑی جسیم اور حاملہ اونٹنی عربوں کے نزدیک بہترین مال تھا۔ اس لیے نبی ﷺ نے اس سے مثال دی کہ اگر تم نماز میں قرآن کی تین آیتیں پڑھو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تمہارے گھر پر مفت کی تین اونٹنیاں آ کھڑی ہوں۔

اس مثال سے رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کے ذہن نشین یہ بات کرائی کہ قرآن ان کے لیے کتنی بڑی رحمت ہے ' اور قرآن کی شکل میں کتنی بڑی دولت ان

کے ہاتھ آئی ہے۔ انہیں اس بات کا احساس دلایا گیا کہ ان کے نزدیک جو بڑی سے بڑی دولت ہو سکتی ہے' یہ قرآن اور اس کی ایک ایک آیت اس سے زیادہ بڑی دولت ہے۔

۴۔ قرآن مجید کو بے سمجھے پڑھنا بھی باعث برکت ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِىْ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن کا ماہر' قرآن کے لکھنے والے معزز اور پاکیزہ فرشتوں کے ساتھ ہو گا اور جو شخص قرآن مجید کو اٹک اٹک کر اور بڑی مشکل سے پڑھتا ہے اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ (متفق علیہ)

قرآن مجید ہی میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قرآن کو وہ فرشتے لکھتے ہیں جو بڑے معزز اور پاکیزہ ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کا علم حاصل کرے' اس میں بصیرت پیدا کرے اور اس کے اندر کمال پیدا کرنے کی کوشش کرے وہ ان فرشتوں کے ساتھ ہو گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان فرشتوں میں شامل ہو جائے گا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے وہ مقام اور مرتبہ حاصل ہو گا جو ان فرشتوں کو حاصل ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آدمی قرآن مجید کو سمجھ کر نہ پڑھے تو محض اس کے

پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا درست نہیں۔ قرآن مجید کے محض پڑھنے کا
بھی فائدہ ہے۔ مثلاً آپ دیکھیں کہ ایک ایسا آدمی ہے جو بیچارہ بہت ہی دیہاتی قسم کا
ہے اور اس کی زبان بھی پوری طرح سے نہیں کھلتی... وہ بڑی مشکل سے اور اٹک
اٹک کر قرآن مجید پڑھ رہا ہے۔ رسول اللہؐ اس کے حق میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ
اس کے لیے دوہرا اجر ہے... ایک اجر قرآن پڑھنے کا اور دوسرا قرآن پڑھنے کے
لیے محنت کرنے کا.... رہی یہ بات کہ بغیر سمجھے بوجھے قرآن مجید پڑھنے کا کیا فائدہ ہے تو
سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی دنیا میں کسی ایسے آدمی کو دیکھا ہے جو انگریزی کے
حروف تہجی پڑھ لینے کے بعد انگریزی کی کوئی کتاب لیے بیٹھا پڑھ رہا ہو اور سمجھ میں
اس کی خاک بھی نہ آرہا ہو۔ غور کیجئے کہ ایک آدمی اس قرآن کے ساتھ یہ محنت
کیوں کرتا ہے۔ وہ قاعدہ بغدادی سے اس کے پڑھنے کی مشق کرتا ہے' استادوں سے
سیکھتا ہے' پھر بیٹھا ہوا اسے پڑھتا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا مگر پھر بھی پڑھتا
ہے۔ آخر کیوں؟... اگر اس کے دل میں ایمان نہ ہو' قرآن مجید کی عقیدت نہ ہو
اور اگر وہ یہ نہ سمجھ رہا ہو کہ یہ اللہ کا کلام ہے' اور اس کو پڑھنے میں برکت ہے تو
آخر وہ یہ سب محنت اور مشقت کیوں برداشت کرے؟ ظاہر بات ہے کہ وہ یہ ساری
محنت اور مشقت اسی یقین کی بناپر تو کرتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور بڑی برکت والا
کلام ہے۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسے اس کا اجر نہ ملے۔

اس کا یہ مطلب بھی نہ لینا چاہیئے کہ ایسے آدمی کو قرآن سیکھنے اور سمجھنے کے
قابل بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ کوشش تو اسے لازماً کرنی چاہیئے لیکن جو
لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر قرآن کسی کی سمجھ میں نہ آرہا ہو تو اس کا پڑھنا فضول اور بے
فائدہ ہے تو یہ بات غلط ہے۔ یقیناً قرآن مجید کو بے سمجھے پڑھنے کا بھی فائدہ ہے۔

۵۔ رشک کے قابل صرف دو آدمی ہیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَاحَسَدَ اِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی حسد (یعنی رشک) کی کوئی گنجائش نہیں ہے مگر دو آدمیوں پر۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا ہو اور وہ شب و روز اس کو لیے کھڑا ہو (یعنی نماز میں کھڑا پڑھ رہا ہو یا اس کی تبلیغ و تلقین کرنے اور اس کی تعلیم دینے میں مصروف ہو)..... اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ شب و روز اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہو۔ (متفق علیہ)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو بات اہل ایمان کے ذہن نشین کی ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کا دنیوی عروج، خوشحالی اور ناموری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر رشک کیا جائے۔ رشک کے قابل صرف دو آدمی ہیں۔ ایک وہ جسے قرآن کا علم حاصل ہو اور وہ اسے شب و روز نماز میں پڑھنے کے لیے کھڑا ہو یا اس کام میں لگا ہو کہ خلق خدا کو اس کی تعلیم دے اور اس کی تبلیغ و تلقین کرے..... دوسرا وہ شخص قابل رشک ہے جسے مال و دولت حاصل ہو اور وہ اسے عیاشیوں اور دوسرے غلط کاموں میں خرچ کرنے کے بجائے شب و روز اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہو۔

یہ وہ تعلیم ہے جس کے ذریعے سے نبی ﷺ نے لوگوں کے ذہنوں کو بدلا ہے اور انہیں نئی قدریں (VALUES) عطا فرمائی ہیں۔ انہیں یہ بتایا ہے کہ قدر کے قابل اصل میں کیا چیز ہے اور انسانیت کا وہ اعلیٰ نمونہ کیا ہے جس کے مطابق انہیں خود کو ڈھالنے اور بنانے کی تمنا اور کوشش کرنی چاہیے۔

حدیث کے متن میں رشک کے بجائے حسد کا لفظ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رشک ایک ایسی چیز ہے جو حسد کی طرح آدمی کے دل میں آگ نہیں بھڑکاتی ہے اور حسد وہ چیز ہے جو اگرچہ رشک ہی کی ایک قسم ہے لیکن اتنی تیز ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کے دل میں ایک آگ سی لگی ہوتی ہے۔ اس لیے یہاں رشک کے جذبے کی شدت کو ظاہر کرنے کے لیے حسد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

حسد میں اصل عیب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی یہ چاہتا ہے کہ فلاں چیز دوسرے شخص کو نہ ملے بلکہ مجھے ملے' یا اس سے چھن جائے اور مجھ کو مل جائے۔ یا بدرجہ آخر اگر مجھے نہیں ملتی تو اس کے پاس بھی نہ رہے۔ یہاں حسد کی یہ کیفیت مراد نہیں ہے بلکہ یہاں یہ لفظ صرف اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ رشک کے جذبے کی شدت ظاہر ہو۔ یعنی اگر تمہارے دل میں رشک کی آگ لگنی بھی ہے تو اس غرض کے لیے لگنی چاہیئے کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ رات دن قرآن پڑھنے اور اس کی تعلیم دینے میں لگے رہو یا ایسے ہو جاؤ کہ تمہیں مال نصیب ہو تو اسے خوب اللہ کی راہ میں لٹاؤ۔ یہاں تک کہ دوسروں کے لیے قابل رشک نمونہ بن جاؤ۔

۶۔ قرآن مجید اور مومن کا تعلق

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِىْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَّ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَّ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِىْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ لَا رِيْحَ لَهَا وَ طَعْمُهَا حُلْوٌ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِىْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيْحٌ وَ طَعْمُهَا مُرٌّ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِىْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ: اَلْمُؤْمِنُ الَّذِىْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَعْمَلُ بِهٖ كَالْاُتْرُجَّةِ وَالْمُؤْمِنُ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَعْمَلُ بِهٖ كَالتَّمْرَةِ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مؤمن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور اس کا مزہ بھی اچھا ہوتا ہے۔ اور جو مؤمن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ اس کی خوشبو تو نہیں ہوتی البتہ مزہ اس کا میٹھا ہوتا ہے۔ اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا ہے اس کی مثال حنظل (ایلوا) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی کوئی نہیں ہوتی اور اس کا مزہ بھی کڑوا ہوتا ہے اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے کہ اس میں خوشبو تو ہوتی ہے لیکن مزہ اس کا کڑوا ہوتا ہے..... ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ.... جو مؤمن قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے

اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا لیکن اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے۔(متفق علیہ)

رسول اللہؐ نے قرآن مجید کی عظمت ذہن نشین کرنے کے لیے کیسی بے نظیر مثالیں بیان فرمائی ہیں..... یعنی قرآن مجید بجائے خود ایک خوشبو ہے' اگر مومن اسے پڑھے گا تب بھی اس کی خوشبو پھیلے گی اور اگر منافق پڑھے گا تب بھی اس کی خوشبو پھیلے گی۔ البتہ مومن اور منافق کی شخصیتوں میں جو حقیقی فرق ہوتا ہے وہ ایمان اور نفاق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر مومن ہے اور قرآن نہیں پڑھتا ہے تو خوشبو تو اس کی نہیں پھیلتی لیکن اس کی شخصیت بہر حال اس پھل کے مانند ہے جو خوش ذائقہ ہو۔ لیکن اگر منافق ہے اور قرآن نہیں پڑھ رہا ہے تو اس کی خوشبو بھی نہیں پھیلتی اور اس کی شخصیت بھی تلخ اور بد مزہ پھل کے مانند ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے اور وہ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا مگر اس کے مطابق عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے۔ ان دونوں روایتوں میں فرق کی نوعیت بس اتنی ہے کہ ایک روایت میں قرآن پڑھنے اور ایمان رکھنے کے نتائج بیان کیے گئے ہیں اور دوسری میں قرآن پڑھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے نتائج بیان کیے گئے ہیں۔ اصولی حیثیت سے مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

۷۔ قرآن..... دنیا اور آخرت میں سربلندی کا ذریعہ

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ۔(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس کتاب (قرآن) کے ذریعے سے کچھ لوگوں کو اٹھائے گا اور کچھ لوگوں کو گرائے گا۔(مسلم)

مراد یہ ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو لے کر کھڑے ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں ترقی دے گا اور دنیا اور آخرت دونوں میں سربلند کرے گا۔ لیکن جو لوگ اس کتاب کو لے کر بیٹھ رہیں گے اور اس کے مطابق عمل نہیں کریں گے یا اس کتاب کو رد کر دیں گے اللہ تعالیٰ ان کو گرا دے گا۔ ان کے لیے نہ دنیا کی سربلندی ہے اور نہ آخرت کی سرخروئی۔

۸۔ قرآن پڑھنے کی آواز سن کر فرشتے جمع ہو جاتے ہیں

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ اُسَیْدَ بْنَ حُضَیْرٍ قَالَ بَیْنَمَا ھُوَ یَقْرَأُ مِنَ اللَّیْلِ سُوْرَۃَ الْبَقَرَۃِ وَفَرَسُہٗ مَرْبُوْطَۃٌ عِنْدَہٗ اِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَکَتَ فَسَکَنَتْ فَقَرَاَ فَجَالَتْ فَسَکَتَ فَسَکَنَتْ ثُمَّ قَرَاَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَکَانَ ابْنُہٗ یَحْیٰی قَرِیْبًا مِنْھَا فَاَشْفَقَ اَنْ تُصِیْبَہٗ وَلَمَّا اَخَّرَہٗ رَفَعَ رَاْسَہٗ اِلَی السَّمَاءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّۃِ فِیْھَا اَمْثَالُ الْمَصَابِیْحِ فَلَمَّا اَصْبَحَ حَدَّثَ

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ' فَقَالَ اِقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ اِقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ ' قَالَ فَاَشْفَقْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْ تَطَأَ يَحْيٰى وَكَانَ مِنْهَا قَرِيْبًا فَانْصَرَفْتُ اِلَيْهِ وَرَفَعْتُ رَأْسِيْ اِلَى السَّمَاءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيْهَا اَمْثَالُ الْمَصَابِيْحِ فَخَرَجْتُ حَتّٰى لَا اَرَاهَا ' قَالَ وَتَدْرِيْ مَا ذَاكَ ' قَالَ لَا ' قَالَ تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ وَلَوْ قَرَأْتَ لَاَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ اِلَيْهَا لَا تَتَوَارٰى مِنْهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِيْ مُسْلِمٍ عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ بَدَلَ فَخَرَجْتُ عَلٰى صِيْغَةِ الْمُتَكَلِّمِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اُسَیْدبْنِ حُضَیْر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ (اپنے گھر میں) ایک رات نماز میں سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا۔ یکایک گھوڑے نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ جب وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی سکون سے کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے پھر پڑھنا شروع کیا تو گھوڑے نے پھر اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ وہ پھر خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی ساکن ہو گیا۔

انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر اچھلنے کودنے لگا۔ تب انہوں نے سلام پھیر دیا کیوں کہ ان کا بیٹا یحیٰی اس گھوڑے کے قریب ہی تھا اور انہیں ڈر لگا کہ کہیں وہ (اپنی اچھل کود سے) اسے کوئی ضرر نہ

پہنچائے۔ جب انہوں نے بچے کو گھوڑے کے پاس سے ہٹا دیا اور اتفاقاً آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو یکایک انہیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ایک چھتری سی ہے جس کے اندر چراغ سے روشن ہیں...... جب صبح ہوئی انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا...... حضور ﷺ نے فرمایا اے ابن حضیرؓ (ایسے موقع پر بے تکلف) پڑھتے رہا کرو۔ پھر فرمایا کہ ابن حضیرؓ 'پڑھتے رہا کرو.... حضرت اُسیدؓ بن حُضَیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ 'مجھے ڈر یہ لگا کہ میرا گھوڑا میرے بچے یحیٰی کو کچل نہ دے کیونکہ وہ اس کے قریب ہی تھا۔ جب میں نماز سے سلام پھیر کر اس کی طرف گیا اور میں نے اتفاقاً اپنی نگاہ آسمان کی جانب اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ گویا ایک چھتری سی ہے جس کے اندر چراغ سے روشن ہیں۔ میں (کچھ گھبرا کر) وہاں سے نکل آیا (یعنی آسمان کے نیچے سے) تاکہ میری نگاہ پھر اس پر نہ پڑے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ کیا چیز تھی؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہارے قرآن پڑھنے کی آواز سن کر قریب آ گئے تھے اور اگر تم پڑھتے رہتے تو ہو سکتا ہے کہ نوبت یہاں تک آ جاتی ہے کہ لوگ ان کو دیکھتے اور وہ لوگوں سے نہ چھپتے۔
(متفق علیہ)

یہ ضروری نہیں ہے کہ جب بھی کوئی شخص قرآن پڑھے تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ پیش آئے۔ خود حضرت اُسیدؓ بن حُضَیر کے ساتھ بھی روز ایسا نہیں ہوتا تھا۔ قرآن تو وہ ہمیشہ پڑھتے ہی تھے لیکن اس روز ان کے ساتھ یہ خاص معاملہ پیش آیا جس

کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ کیوں پیش آیا۔ نبی ﷺ نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ یہ تمہارے ساتھ ہمیشہ ہوگا یعنی اگر ہر روز رات کو اسی طرح قرآن مجید پڑھو گے تو صبح ایسی نوبت آسکتی ہے کہ فرشتے کھڑے رہیں یہاں تک کہ لوگ انہیں دیکھ لیں۔ اس کے بجائے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر پھر کبھی ایسا موقع پیش آئے تو بلا تکلف پڑھتے رہا کرو' اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

یہ کہنا کہ آج ہمیں ایسا تجربہ کیوں پیش نہیں آتا تو بات دراصل یہ ہے کہ اس طرح کے معاملات اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہر مخلوق سے حتیٰ کہ ہر فرد سے الگ الگ معاملہ کرتا ہے۔ اس نے سب کو سب کچھ نہیں دے دیا ہے اور نہ کوئی ایسا ہے کہ جسے کچھ نہ دیا ہو۔ بس یہ اللہ کا دین ہے جو وہ مختلف لوگوں کو مختلف طریقوں سے دیتا ہے۔

۹۔ قرآن پڑھنے والے پر سکینت نازل ہوتی ہے

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ وَاِلٰى جَانِبِهٖ حِصَانٌ مَرْبُوْطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُوْا وَتَدْنُوْا وَجَعَلَ فَرَسُهٗ يَنْفِرُ فَلَمَّا اَصْبَحَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْاٰنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورہ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے قریب ہی ایک گھوڑا دو رسیوں کے

> ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس دوران میں ایک بادل سا اس پر سایہ فگن ہوا' اور وہ آہستہ آہستہ نیچے آتا چلا گیا۔ جیسے جیسے وہ نیچے آتا رہا اس کا گھوڑا زیادہ اچھلنے کودنے لگا۔ جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سکینت تھی جو قرآن کے ساتھ نازل ہو رہی تھی۔ (متفق علیہ)

گزشتہ حدیث کے برعکس یہاں فرشتوں کے بجائے سکینت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سکینت کی تشریح کرنا بڑا مشکل ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف مقامات پر آیا ہے اور اس کے مختلف مفہوم ہیں..... سکینت سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت بھی ہے جو انسان کے دل میں اطمینان' سکون اور ٹھنڈک پیدا کرتی ہے اور اس کو روحانی حیثیت سے تسکین بہم پہنچاتی ہے۔ اور اس سے مراد وہ نصرت بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور خاص آتی ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو قرار و سکینت کا پیغام لے کر آتے ہیں۔ بنا بریں یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا یہ لفظ یہاں فرشتوں کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے' یا یہ اللہ کی رحمت کی کوئی اور شکل تھی جو ان صاحب کے قریب آئی تھی۔

یہ معاملہ بھی ہر ایک کے ساتھ پیش نہیں آیا اور خود ان صاحب کے ساتھ بھی ہمیشہ پیش نہیں آتا تھا۔ وہ کوئی خاص کیفیت تھی جو ان پر گزری۔ اگر رسول اللہ ﷺ اس کا معنی اور مفہوم بتانے کے لیے موجود نہ ہوتے تو وہ صحابیؓ ہمیشہ کے لیے حیران ہی رہتے کہ یہ ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا۔

ان دونوں روایتوں میں اس خاص کیفیت میں گھوڑے کے بدکنے اور اچھلنے

کو دنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات حیوانات وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو انسانوں کو نظر نہیں آتیں۔ یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ زلزلہ آنے سے پہلے پرندے غائب ہو جاتے ہیں۔ جانوروں کو پہلے سے پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی چیز پیش آنے والی ہے۔ وبائیں آنے سے پہلے کتے اور دوسرے جانور چیخنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کچھ ایسے حواس عطا کر دیئے ہیں جو انسانوں کو حاصل نہیں ہیں۔ اس بناء پر انہیں بعض ایسی چیزوں کا علم یا احساس ہو جاتا ہے جو انسان کے دائرہ علم واحساس سے باہر ہوتی ہیں۔

۱۰۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت..... سورہ فاتحہ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُعَلّٰی قَالَ: کُنْتُ اُصَلِّیْ فِی الْمَسْجِدِ فَدَعَانِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ اُجِبْہُ ثُمَّ اَتَیْتُہٗ فَقُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ کُنْتُ اُصَلِّیْ ' قَالَ: اَلَمْ یَقُلِ اللّٰہُ اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ ' ثُمَّ قَالَ: اَلَا اُعَلِّمُکَ اَعْظَمَ سُوْرَۃٍ فِی الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ' فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَلَمَّا اَرَدْنَا اَنْ نَخْرُجَ قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ قُلْتَ لَاُعَلِّمَنَّکَ اَعْظَمَ سُوْرَۃٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ' ہِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُوْتِیْتُہٗ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو سعید بن مُعلّی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں

مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی ﷺ نے مجھے آواز دے کر بلایا لیکن میں نے جواب نہ دیا (کیونکہ میں نماز پڑھ رہا تھا) پھر نماز ختم کر کے میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا اس لیے فوراً حاضر نہیں ہو سکا۔ آپؐ نے فرمایا کیا اللہ نے یہ حکم نہیں دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہو جبکہ وہ تمہیں بلائیں..... پھر حضور ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت کونسی ہے' قبل اس کے کہ ہم تم مسجد سے نکلیں؟..... پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جب ہم مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ' آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ ﷺ مجھے قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت کے متعلق بتائیں گے..... آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (یعنی سورہ فاتحہ) ہے۔ یہی سَبْعَ مَثَانِیْ ہے (سات بار پڑھی جانے والی آیتیں) اور اس کے ساتھ عظیم قرآن ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ (بخاریؒ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے کے دوران میں نبی ﷺ کے انھیں طلب فرمانے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور نے انہیں بلایا تھا تو وہ نفل نماز پڑھ رہے تھے کیونکہ فرض نماز تو جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ادا کی جاتی تھی۔ چنانچہ حضور ﷺ کے آواز دینے پر ان کا یہ فرض تھا کہ وہ نفلی نماز چھوڑ دیتے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہنا تو ہے فرض اور وہ پڑھ رہے تھے نفل نماز..... ایک مومن

کو جب اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے بلایا جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس پر لبیک کہے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ ہدایت اس دور کے ساتھ ہی ختم ہوگئی ہے' بلکہ یہ بات آج بھی اسی طرح سے اہم ہے۔ اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کی آواز لوگ کانوں سے سنتے تھے' آج اللہ کے رسول ﷺ کی آواز آپ دل کے کانوں سے سن سکتے ہیں' بشرطیکہ دل کے کان ہوں۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کی آواز آپ کے دل میں آئے کہ فلاں کام ممنوع ہے تو آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ رک جائیں۔ اگر آپ نہیں رکتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے رسول ﷺ کی پکار سنی تو ضرور مگر اس پر لبیک نہیں کی۔ چنانچہ اگر دل کے کان ہوں تو آپ آج بھی صاف سن سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو کس فریضے کی طرف پکار رہے ہیں اور آپ پر کیا فرض عائد ہوتا ہے۔

اَلسَّبْعُ الْمَثَانِیْ سے مراد وہ سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں' یعنی سورہ فاتحہ...... حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ سات آیتیں ہیں جو قرآن کی سب سے بڑی سورت ہیں اور اس کے ساتھ قرآنِ مجید ہے۔ قرآن مجید میں یہ بتایا ہے کہ یہ سات آیتیں ہیں جو مثانی ہیں' اور اس کے ساتھ قرآنِ مجید ہے۔(۱) مطلب یہ ہے کہ ایک طرف پورا قرآن ہے اور دوسری طرف یہ سورہ فاتحہ ہے۔
اسی سے رسول اللہ ﷺ نے یہ مضمون اخذ فرمایا کہ یہ قرآن مجید کی سب سے

۱۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (الحجر ۸۷' پ ۱۴)
ترجمہ: ہم نے تم کو سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار دہرائی جانے کے لائق ہیں اور تمہیں قرآن عظیم عطا کیا ہے۔

بڑی سورت ہے کیونکہ پورے قرآن کے مقابلے میں اس ایک صورت کو رکھا گیا ہے...... غور کیجئے کہ یہاں سب سے بڑی سورت کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ سورہ فاتحہ اپنے الفاظ اور آیتوں کی کثرت کے لحاظ سے سب سے بڑی سورت ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مضمون کے لحاظ سے سب سے بڑی ہے کیونکہ قرآن مجید کی ساری تعلیم کا خلاصہ اس میں آگیا ہے۔

۱۱۔ قرآن سے گھروں کو آباد کرو!

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَاُ فِیْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (مسلمؒ)

اس حدیث میں دو مضمون بیان کیے گئے ہیں:

پہلا مضمون یہ ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ تمہارے گھروں کی یہ کیفیت نہ ہو کہ ان میں نہ کوئی نماز پڑھنے والا ہو اور نہ قرآن پڑھنے والا۔ یعنی ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہی نہ ہوتا ہو کہ ان کے اندر ایمان رکھنے والے اور قرآن پڑھنے والے لوگ بستے ہیں۔ اگر کیفیت یہ ہو تو گویا وہ گھر قبرستان ہیں۔ وہ زندہ انسانوں کی نہیں بلکہ مردوں کی بستی ہیں۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ساری کی ساری نماز مسجدوں ہی میں ادا نہ کرو بلکہ نماز کا کچھ حصہ گھروں میں بھی ادا کیا کرو۔ اگر گھروں میں نماز نہ پڑھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسجدوں کو تو آپ نے آباد کر لیا لیکن گھر قبرستان کی طرح ہو گئے۔ اس لیے ایسی صورت ہونی چاہیئے کہ مسجدیں بھی آباد ہوں اور گھر بھی۔ اسی بناء پر اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ فرض نماز تو جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کی جائے اور سنتیں اور نوافل وغیرہ گھر میں آکر ادا کیئے جائیں تاکہ دونوں جگہیں آباد ہوں۔

دوسرا مضمون یہ بیان فرمایا گیا کہ شیطان ایسے گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے..... قرآن مجید کی فضیلت بحیثیت مجموعی تو الگ ہے اور ایک ایک سورت کے فضائل الگ ہیں۔ یہاں سورۂ بقرہ کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے.... ایسا کیوں ہے؟..... اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں معاشرتی اور گھریلو زندگی کے سارے قواعد تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ نکاح اور طلاق وغیرہ کے متعلق مکمل قانون بھی اس میں بیان کر دیا گیا ہے..... معاشرت کو بہتر رکھنے کے جملہ اصول و قواعد بھی اس میں آ گئے ہیں۔ اس لیے جس گھر میں سورۂ بقرہ سمجھ کر پڑھی جاتی ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے وہاں شیطان کبھی فتنہ و فساد برپا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ شیطان کو فتنے برپا کرنے کا موقع اسی جگہ ملتا ہے جہاں لوگوں کو یا تو اللہ تعالیٰ کے وہ احکام معلوم نہ ہوں جن میں انسانی زندگی کی اصلاح کے قاعدے اور ضابطے بتائے گئے ہیں اور یا احکام معلوم تو ہوں لیکن ان کی خلاف ورزی کی جا رہی ہو۔ لیکن جہاں احکام بھی معلوم ہوں اور ان کی اطاعت بھی کی جا رہی ہو وہاں شیطان کو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا اور نہ وہ کوئی فتنہ برپا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

۱۲۔ قرآن مجید قیامت کے روز شفیع بن کر آئے گا

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ .... صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِقْرَاُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَفِیْعًا لِّاَصْحَابِهٖ' اِقْرَاُوا الزَّهْرَاوَیْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا تَاْتِیَانِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَیَابَتَانِ اَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَآفَّ تُحَآجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا' اِقْرَاُوا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَکَةٌ وَتَرْکَهَا حَسْرَةٌ وَلَا یَسْتَطِیْعُهَا الْبَطَلَةُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفیع (سفارش کرنے والا) بن کر آئے گا..... دو چمکتی ہوئی روشن سورتیں البقرہ اور آل عمران پڑھا کرو۔ کیونکہ یہ دونوں قیامت کے روز اس طرح سے آئیں گی جیسے کہ وہ چھتریاں ہیں' یا سایہ کرنے والے بادل ہیں' یا پرندوں کے دو جھنڈ ہیں جو پر پھیلائے ہوئے ہوں۔ وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے حجت پیش کرنے والی ہوں گی..... سورہ البقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کا اختیار کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور باطل پرست اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ (مسلم)

اس حدیث میں پہلی بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفیع بن کر آئے گا۔ شفیع بن کر آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ انسانی شکل میں کھڑا ہو کر سفارش کرے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے دنیا میں قرآن پڑھا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کی اصلاح کی تو اس کا یہ عمل آخرت میں اس کی شفاعت کا موجب بنے گا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بات پیش ہو گی کہ اس بندے نے آپ کی کتاب پڑھی تھی۔ اس کے دل میں ایمان تھا جس کی بناء پر اس نے اس کتاب کی طرف رجوع کیا تھا اور اس کے پڑھنے میں اپنا وقت صرف کیا تھا۔ اس نے اس سے احکام معلوم کرنے اور ہدایات حاصل کرنا اور پھر اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ساری چیزیں اس نے ایمان ہی کی بناء پر تو کی تھیں۔ اس لیے اپنے اس بندے کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کیجیے اور اسے اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازے۔

دوسری چیز حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ قرآن مجید کی دو نہایت روشن سورتیں یعنی البقرہ اور آل عمران پڑھا کرو۔ ان کو جس بناء پر روشن سورتیں فرمایا گیا وہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے اندر اہل کتاب اور مشرکین پر حجت تمام کر دی گئی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی ان سورتوں میں ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں پوری پوری ہدایات دے دی گئیں' ان کی جنگ کے بارے میں بھی ان کی صلح کے بارے میں بھی' ان کے نظام اقتصادی کے بارے میں بھی اور ان کے نظام اخلاق کے متعلق بھی۔ غرض ان دونوں سورتوں میں قرآن مجید کی ساری تعلیمات بڑی حد تک بیان ہو گئی ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ یہ دو روشن سورتیں پڑھا کرو۔ قیامت گی جیسے کوئی چھتری یا بادل ہو جیسے پرندوں کے جھنڈ ہوں جو اپنے پر پھیلائے ہوئے ہوں' اور یہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے حجت پیش کرنے والی

اور ان کی حمایت کرنے والی ہوں گی۔ قیامت کے روز جب کہ کسی کے لیے سایہ نہ ہو گا یہ سورتیں اس بندہ مومن کے لیے سایہ بنی ہوئی ہوں گی جو دنیا میں ان کی تلاوت کرتا رہا اور ان سے احکام معلوم کر کے ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس طرح یہ سورتیں آدمی کو قیامت کے روز کی سختیوں سے بچانے والی ہوں گی۔

پھر خاص طور پر سورہ بقرہ کے متعلق فرمایا کہ جو شخص اسے پڑھتا ہے اس کے لیے اس کا پڑھنا باعث برکت ہے اور جو اسے چھوڑتا ہے اس کا چھوڑنا اس کے لیے باعث حسرت ہے۔ وہ شخص قیامت کے روز افسوس کرے گا کہ دنیا میں اتنی بڑی نعمت سورہ بقرہ کی شکل میں اس کے پاس آئی تھی مگر اس نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا' اس کی کچھ قدر نہ کی..... پھر فرمایا کہ باطل پرست لوگ اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مراد یہ ہے کہ جس شخص کے اندر ذرہ برابر بھی باطل پرستی موجود ہو گی وہ اس سورۃ کو برداشت نہیں کر سکے گا کیونکہ اس کے اندر اول سے لے کر آخر تک ایسے باطل شکن مضامین بیان کئے گئے ہیں کہ کوئی باطل پرست اس سورت کا تحمل نہیں کر سکتا۔

۱۳۔ سورۃ البقرہ اور آل عمران اہل ایمان کی پیشوائی کریں گی

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يُؤْتٰى بِالْقُرْاٰنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَ اٰلِ عِمْرَانَ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ اَوْ كَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَآفَّ

تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: قیامت کے روز قرآن مجید اور وہ لوگ کہ جو اس کے مطابق عمل کیا کرتے تھے' لائے جائیں گے اور ان کے آگے آگے سورۂ بقرہ اور آل عمران ہوں گی۔ اس طرح کہ گویا وہ بادل ہیں یا ابر سیاہ ہیں جن کے اندر چمک اور روشنی ہے' یا وہ پرندوں کے جھنڈ ہیں جو اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کے لیے حجت پیش کرتی ہوئی آئیں گی۔ (مسلمؒ)

گذشتہ حدیث میں بھی یہی مضمون تھوڑے سے فرق کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی روایت کرنے والے دونوں صحابیوں نے ایک ہی وقت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہو اور دونوں نے اپنے اپنے الفاظ میں اسے بیان کیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ مضمون متعدد مواقع پر بیان فرمایا ہو اور دونوں صحابیوں کی روایتیں دو مختلف مواقع سے تعلق رکھتی ہوں...... بہرحال یہ بات واضح ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا مضمون قریب قریب یکساں ہے۔

پہلی روایت میں صرف قرآن مجید پڑھنے والوں کا ذکر تھا لیکن اس حدیث میں اس کے مطابق عمل کرنے والوں کا ذکر ہے' اور ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید اگر شفیع ہو سکتا ہے تو انہی لوگوں کے کے لیے ہو سکتا ہے جو محض اسے پڑھ کر ہی نہ رہ جائیں بلکہ اس کے مطابق عمل بھی کریں۔ بالفرض اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھتا تو ہے

لیکن اس کے مطابق عمل نہیں کرتا تو قرآن اس کے حق میں حجت نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہو گئی ہے کہ قرآن مجید اپنے ان پڑھنے والوں کی شفاعت اور حمایت کرے گا جو اس کے مطابق عمل بھی کرنے والے ہوں۔ قیامت کے روز جب اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے حضور میں جائیں گے تو ان کو لے کر جانے والا قرآن ہو گا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو گویا یہ ان کے پاس ان معنوں میں ایک..... حجت ہو گا کہ حضور ﷺ یہ آپ کا ہدایت نامہ تھا اور اس کے مطابق ہم دنیا میں زندگی بسر کر کے آئے ہیں۔ اس طرح ان کی بخشش کے لیے یہ چیز بجائے خود کافی سفارش ہو گی..... یہ معاملہ صرف اہل ایمان کے ساتھ ہو گا۔ اس روز کافر یا منافق کے ساتھ قرآن نہیں ہو گا اور نہ ہی ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جو اس کو جانتے تھے لیکن پھر بھی اس کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

پھر فرمایا کہ سورۂ بقرہ اور آل عمران اہل ایمان کے آگے آگے ہوں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ احکامی سورتیں ہیں۔ سورۂ بقرہ میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے احکامی ہدایات دی گئی ہیں اور سورہ آل عمران میں منافقین' کفار اور اہل کتاب سب کے بارے میں ہدایات بیان کی گئی ہیں۔ مزید برآں یہ جنگ احد کے تبصرے پر بھی مشتمل ہے۔ اس طرح یہ دونوں سورتیں ایک مؤمن کی زندگی کے لیے ہدایت نامے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے مطابق اپنی معاشرت کو درست کر لے' اپنی معاش اور سیاست اور اپنے تمدن کو ان کے مطابق ڈھال لے اور دنیا میں مختلف دشمنان اسلام کے ساتھ جو معاملات پیش آتے ہیں ان میں وہ ان کی ہدایات کے مطابق ٹھیک ٹھیک کام کرے تو اس کے بعد پھر اس کی بخشش میں کوئی کسر باقی نہیں رہ جاتی۔ چنانچہ یہ دونوں سورتیں میدان حشر میں اہل ایمان کی حفاظت کریں گی' انہیں اس تمازت سے بچائیں گی جو اس وقت وہاں ہو گی اور اللہ کی عدالت میں جا کر ان کے لیے حجت

پیش کریں گی۔

۱۴۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت..... آیت الکرسی

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَا اَبَا الْمُنْذِرِ، اَتَدْرِیْ اَیُّ اٰیَۃٍ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی مَعَكَ اَعْظَمُ، قُلْتُ اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ، قَالَ : یَا اَبَا الْمُنْذِرِ، اَتَدْرِیْ اَیُّ اٰیَۃٍ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی مَعَكَ اَعْظَمُ، قُلْتُ: اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ قَالَ فَضَرَبَ فِیْ صَدْرِیْ وَقَالَ: لِیَھْنِكَ الْعِلْمُ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت اُبَیِّ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے ابو مُنذِرؓ، جانتے ہو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جو کتاب (قرآن مجید) ہے اس کی کونسی آیت سب سے بڑی ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ معلوم ہے۔ حضور ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا: اے ابو مُنذِرؓ، کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جو کتاب ہے اس کی سب سے بڑی آیت کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا: اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (یعنی آیت الکرسی) اس پر رسول اللہ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابو منذر، یہ علم تمہیں مبارک ہو۔ (مسلم)

ابو منذر حضرت اُبیِ بن کعب کی کنیت ہے۔ حضرت اُبیِ رسول اللہ ﷺ کے ان صحابیوں میں سے تھے جو قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے اور قرآن مجید کے فاضل تھے اور صحابہ کرامؓ میں سے بہترین فہم قرآن کے حامل سمجھے جاتے تھے۔

یہ رسول اللہ ﷺ کے طریق تعلیم میں سے ایک طریقہ ہے۔ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ سے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ انہوں نے اللہ کے دین کو اور قرآن کو کتنا کچھ سمجھا ہے بعض اوقات خاص خاص سوالات کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ تھا کہ حضور ﷺ کے سوال پر اس امید میں کہ کچھ مزید معلومات حاصل ہوں وہ اپنے علم کے مطابق جواب دینے کے بجائے یہ عرض کیا کرتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ معلوم ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ وہ بات خود بتائیں ۔اگر رسول اللہ ﷺ کا سوال کرنے سے یہ ارادہ ہوتا تھا کہ صحابہ کرام کو مزید علم سکھائیں تو صحابہؓ کے یہ عرض کرنے پر کہ **اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ** اپنے اپنے سوال کا خود جواب دے دیا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کا ارادہ ان کی معلومات کو جاننے ہی کا ہوتا تھا تو آپ ﷺ اپنے سوال کو پھر پھر دہراتے تھے تاکہ صحابہؓ اپنی طرف سے جواب دیں۔ یہاں یہی صورت پیش آئی۔ حضور ﷺ نے حضرت اُبیِ ؓ بن کعب سے پہلی دفعہ سوال کیا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ مگر چونکہ حضور ﷺ کے پیش نظر یہ معلوم کرنا تھا کہ حضرت اُبیِ بن کعب ؓ کے فہم میں قرآن مجید کی سب سے زیادہ وزنی آیت کونسی ہے اس لیے آپ ﷺ نے دوبارہ وہی سوال کیا۔ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ سب سے بڑی آیت، آیت الکرسی ہے۔ نبی ﷺ نے ان کے اس جواب کی تصویب فرمائی۔

آیت الکرسی کی یہ عظمت اور اہمیت اس بناء پر ہے کہ یہ قرآن مجید کی ان چند آیتوں میں سے ہے جن میں توحید کی مکمل تعریف بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بہترین بیان ایک تو سورہ حشر کی آخری آیات ہیں' ایک سورہ الفرقان کی ابتدائی آیات ہیں' ایک سورہ اخلاص ہے اور ایک یہ آیت الکرسی ہے...... جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا تو حضور ﷺ نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ تمہیں یہ علم مبارک ہو۔ واقعی تم نے صحیح سمجھا ہے۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی اور اہم آیت یہی ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور دلانے ہی کے لیے آیا ہے۔ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور حاصل نہ ہو تو باقی ساری تعلیم بے معنی ہو جاتی ہے۔ توحید آدمی کی سمجھ میں آجانے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی بنیاد قائم ہو گئی۔ اس بناء پر قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت وہ ہے۔ جس میں توحید کے مضمون کو بہترین طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۵۔ آیۃ الکرسی کی فضیلت کے متعلق ایک عجیب واقعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ وَكَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِیْ اٰتٍ فَجَعَلَ یَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ وَ قُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَ عَلَیَّ عِیَالٌ وَلِیْ حَاجَةٌ شَدِیْدَةٌ' قَالَ فَخَلَّیْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ، قُلْتُ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكٰى حَاجَةً شَدِيْدَةً وَ عِيَالاً فَرَحِمْتُهٗ
فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ، قَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَ سَيَعُوْدُ،
فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ سَيَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اِنَّهٗ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهٗ فَجَآءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ
فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعْنِيْ فَاِنِّيْ مُحْتَاجٌ وَ عَلَيَّ عِيَالٌ لَا
اَعُوْدُ فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ، فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ
اَسِيْرُكَ، قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكٰى حَاجَةً شَدِيْدَةً وَ
عِيَالاً فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ، فَقَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ
كَذَبَكَ وَ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهٗ فَجَآءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ
فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هٰذَا اٰخِرُ ثَلَاثِ مَرَّاتٍ اِنَّكَ تَزْعُمُ لَا
تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ، قَالَ دَعْنِيْ اُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ
اللّٰهُ بِهَا اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَاْ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ حَتّٰى تَخْتِمَ الْاٰيَةَ فَاِنَّكَ
لَنْ يَّزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَّلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ
حَتّٰى تُصْبِحَ، فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ، فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ زَعَمَ اَنَّهٗ يُعَلِّمُنِيْ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُنِيَ اللّٰهُ بِهَا، قَالَ اَمَا اِنَّهٗ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ وَتَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلَاثِ لَيَالٍ، قُلْتُ لَا، قَالَ ذَاكَ شَيْطَانٌ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے زکوٰۃ رمضان کی حفاظت کا کام سونپا تھا۔ پس ایک رات، ایک آنے والا آیا اور وہ اس غلے وغیرہ کو سمیٹنے لگا (جو وہاں جمع تھا) میں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کروں گا وہ کہنے لگا، میں محتاج آدمی ہوں، میرے بال بچے ہیں اور میں بہت حاجت مند ہوں..... میں نے (ترس کھا کر) اسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا، اے ابو ہریرہؓ رات جس شخص کو تم نے پکڑا تھا اس کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اس نے اپنی سخت حاجت مندی بیان کی اور کہا کہ میرے بہت بال بچے ہیں، اس لیے میں نے اس پر ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس نے تم سے جھوٹ بولا، وہ پھر آئے گا..... مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آئے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ پھر آئے گا۔ پس میں اس کی تاک میں لگا رہا۔ رات وہ پھر آیا اور غلہ وغیرہ سمیٹنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تمہیں

ضرور رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کروں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو کیونکہ میں محتاج آدمی ہوں اور میرے بال بچے ہیں۔ اب میں پھر نہیں آؤں گا۔ میں نے پھر اس پر رحم کیا اور اسے چھوڑ دیا۔ دوسرے روز صبح' پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: اے ابو ہریرہؓ تمہارے قیدی کا کیا بنا؟...... میں نے عرض کیا یا رسول اللہ' اس نے اپنی سخت حاجت مندی کی شکایت کی اور کہا کہ میرے بہت بال بچے ہیں اس لیے میں نے اس پر رحم کیا اور اسے پھر چھوڑ دیا.....

حضور ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا' اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے' وہ پھر آئے گا......میں پھر اس کی تاک میں لگا رہا۔ وہ پھر آیا اور غلہ وغیرہ سمیٹنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ اب کے میں تجھے ضرور رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کروں گا۔ یہ تیسری اور آخری مرتبہ ہے۔ ہر دفعہ تو کہتا ہے کہ میں پھر نہیں آؤں گا اور پھر آجاتا ہے۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں کچھ ایسے کلمات سکھاتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ پہنچائے گا۔ جب تم رات کو سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹ جاؤ تو آیت الکرسی..... اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ آخر آیت تک پڑھ لیا کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ کی طرف سے تمہاری حفاظت ہوتی رہے گی اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔ جب اس نے یہ چیز مجھے سکھائی تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔

اگلی صبح رسول اللہ ﷺ نے پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ

تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟...... میں نے پھر عرض کیا: اس نے مجھے کچھ کلمات سکھائے ہیں اور اس کا دعویٰ تھا کہ ان کلمات کی بدولت اللہ تعالیٰ مجھے نفع پہنچائے گا...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بات تو اس نے سچی کہی مگر ہے وہ نہایت جھوٹا!...... تمہیں معلوم ہے کہ تین راتوں سے تم کس کے ساتھ مخاطب تھے؟...... میں نے عرض کیا کہ نہیں، میں نہیں جانتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ ایک شیطان تھا۔ (بخاری)"

زکوٰۃِ رمضان سے مراد کھانے پینے کا وہ سامان، غلہ اور ایسی چیزیں ہیں جو نبی ﷺ رمضان کے زمانے میں تقسیم کی خاطر رکھتے تھے۔ دن کے وقت تقسیم سے جو بچ جاتا رات کو اس کی حفاظت کی ضرورت پیش آتی۔ ایک دفعہ جب حضرت ابو ہریرہؓ اس سامان کی حفاظت پر مقرر تھے تو یہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

یہ اس طرح کے واقعات میں سے ہے جن کے بارے میں انسان کوئی توجیہ نہیں کر سکتا کہ ایسا کیونکر ہوا۔ بہرحال اس طرح کی صورتیں بعض اوقات انسانوں کے ساتھ پیش ضرور آتی ہیں...... حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ بھی یہ شکل پیش آئی۔

یہ حدیث فضائل القرآن کے باب میں اس وجہ سے نقل کی گئی ہے کہ شیطان خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس شخص پر اس کا کوئی بس نہیں چلتا جو رات کو آیت الکرسی پڑھ کر سوتا ہے۔

یہ بات پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید میں چند مقامات ایسے ہیں جہاں

اللہ تعالیٰ کی توحید کو بہترین طریقے سے بیان کیا گیا ہے' اور توحید کا مکمل تصور پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مقام یہ آیت الکرسی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس آدمی کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا تصور رچ بس گیا ہو اس پر شیطان کا بس کہاں چل سکتا ہے۔ شیطان تو اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔

آیت الکرسی کے کلمات بذات خود بھی بابرکت ہیں لیکن اگر پڑھنے والا سمجھ بھی رہا ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے تو پھر اس پر کسی شیطان کا زور نہیں چل سکتا۔

۱۶۔ دو نور...... جو صرف رسول اللہ ﷺ کو عطا کیے گئے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَهُمَا جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِيْضًا مِّنْ فَوْقِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ هٰذَا بَابٌ مِّنَ السَّمَآءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ اِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ قَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ اِلَى الْاَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ اِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ اَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ اُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ' فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَاَ بِحَرْفٍ مِّنْهُمَا اِلَّا اُعْطِيْتَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ یکایک انہوں نے آسمان کی طرف سے ایک ایسی آواز سنی جیسے کسی شہتیر کو کھینچنے یا کسی پھاٹک کو کھولنے کی آواز ہوتی ہے۔ حضرت

جبریل ﷺ نے اپنا سراوپر اٹھا کر دیکھا اور پھر حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج پہلی دفعہ کھولا گیا ہے اور اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اتنے میں اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا۔ جبریل ﷺ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یہ ایک فرشتہ ہے جو آسمان سے زمین کی طرف آرہا ہے اور آج سے پہلے یہ کبھی زمین کی طرف نہیں اترا وہ فرشتہ آیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کہا اور پھر آپ ﷺ سے عرض کیا: آپ ﷺ کے لیے دو ایسے نوروں کی خوشخبری ہے۔ جو آپ ﷺ ہی کو دیئے گئے ہیں۔ ایک سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ البقرہ کی آخری آیات..... ان دونوں کا اگر ایک حرف بھی آپ ﷺ پڑھیں گے تو جو دعا آپ ﷺ مانگیں گے وہ آپ ﷺ کو عطا کی جائے گی۔ (مسلم)

اس حدیث کو پڑھتے ہوئے پہلا سوال جو آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آسمان کا دروازہ کھلنا اور اس سے ایسی آواز کا آنا جیسے پھاٹک کھلتا ہے کیا معنی رکھتا ہے؟..... اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ آسمان کے کسی دروازہ کے کھلنے کی آواز سننے والے جبریل ﷺ یا رسول اللہ ﷺ تھے ہم اور آپ نہیں ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ یہ ایسے معاملات ہیں جو ہمارے حواس سے ماوراء ہیں۔ لیکن انہیں جب بھی بیان کیا جائے گا لامحالہ اسی زبان میں بیان کیا جائے گا جو انسان بولتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ انسانی زبان میں ان احوال وکیفیات کو ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں اور نہیں ہو سکتے کیوں وہ احوال اور وہ کیفیات کبھی انسان کے تجربے میں نہیں آئیں۔ اس لیے لامحالہ جب کبھی ان چیزوں کو بیان کیا

جائے گا استعارہ اور تمثیل کی زبان میں بیان کیا جائے گا.... دنیا میں جس طرح کوئی پھاٹک کھولا جاتا ہے اسی طرح عالم بالا کی بھی بہت سی بندشیں ہیں جنہیں کھولا جاتا ہے تبھی کوئی چیز ان سے گزر کر آتی یا جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ڈھنڈار کھلا ہوا ہو کہ جو چیز جس وقت چاہے آئے یا جائے..... اس سے معلوم ہوا کہ آسمان کی کسی بندش کے کھلنے اور اوپر سے کسی فرشتے کے نیچے آنے کی کوئی کیفیت ہے جس کو پھاٹک کھلنے کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ کیفیت لامحالہ محسوس تو ہوتی ہے مگر اس کو محسوس صرف اللہ کا فرشتہ یا اس کا رسول ﷺ کر سکتا ہے ہم اسے محسوس نہیں کر سکتے کیونکہ یہ صلاحیت ہم جیسے عام انسانوں کو میسر نہیں ہے۔

دوسری چیز جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو فرشتہ حضور ﷺ کو خوشخبری سنانے کے لیے حاضر ہوا وہ اس سے پہلے کبھی زمین کی طرف نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خاص یہی پیغام پہنچانے کے لیے زمین کی طرف بھیجا تھا۔ ورنہ وہ زمین کی طرف آنے والے فرشتوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے آکر جو پیغام نبی ﷺ کو دیا وہ یہ تھا کہ آپ ﷺ کو مبارک ہو۔ آپ ﷺ کو دو ایسی بے نظیر چیزیں دی گئی ہیں جو پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں سے ایک چیز سورۂ فاتحہ ہے اور دوسری البقرہ کی آخری آیات۔

واقعہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے چند فقروں میں اتنا بڑا مضمون بیان کیا گیا ہے کہ پورے قرآن مجید کا خلاصہ اس میں آگیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنا ارشاد ہے کہ مجھے ایسے الفاظ اور کلمات عطا کیے گئے ہیں جن سے بڑے بڑے مضامین چند فقروں میں ادا ہو گئے ہیں۔

انجیل کے ساتھ قرآن مجید کا مقابلہ کر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات

بعض اوقات انجیل کے کئی کئی صفحات میں بیان کی گئی ہے وہ قرآن کے ایک فقرے میں بیان کر دی گئی ہے۔ بالخصوص سورۂ فاتحہ اس اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بے نظیر ہے..... تاہم سورہ فاتحہ کی اس امتیازی شان کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ اس میں جو مضامین آئے ہیں وہ پہلے کسی نبی پر نہیں آئے' ایسا نہیں ہے کیونکہ سارے انبیاء علیہم السلام یہی تعلیم لے کر آئے تھے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ اس سورۃ کے چند فقروں میں وسیع معانی کا ایک سمندر سمیٹ دیا گیا ہے اور پوری تعلیم دین کا خلاصہ اس میں آگیا ہے۔ اس خصوصی شان کی کوئی چیز پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔

دوسرا نور جس کی خوشخبری اس فرشتے نے نبی ﷺ کو سنائی وہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات ہیں یعنی لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ سے لے کر آخر رکوع وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ تک۔

ان آیات میں توحید کا پورا بیان اور انبیاء علیہم السلام کی ساری تعلیم کا خلاصہ سمو دیا گیا ہے۔ پورے کے پورے اسلامی عقائد بیان کر دیئے گئے ہیں اور اہل ایمان کو یہ بتا دیا گیا ہے کہ اگر حق و باطل کی آویزش میں کفر کی تمام طاقتیں بھی ان کے مقابلے میں ڈٹ جائیں تب بھی انہیں صرف اللہ کے بھروسے پر ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور اللہ ہی سے نصرت اور کامیابی کے لیے مدد مانگنی چاہیئے۔ ان آیات کے انہی غیر معمولی مضامین کی بناء پر ان کو ایسا نور قرار دیا گیا ہے جو پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوا۔

۱۷۔ سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْاٰيَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَاَ بِهِمَا فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے گا وہ اس کے لیے کافی ہوں گی۔ (متفق علیہ)

مراد یہ ہے کہ یہ دو آیتیں آدمی کو ہر طرح کے شر سے بچانے کے لیے کافی ہیں اگر کوئی شخص ان آیات کو اچھی طرح سے سمجھ کر پڑھے تو اسے ان کی اہمیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے۔

۱۸۔ سورہ کہف کی پہلی دس آیتوں کی فضیلت

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ حَفِظَ عَشْرَ اٰيٰتٍ مِّنْ اَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص سورہ کہف کی دس ابتدائی آیتیں یاد کرے گا وہ دجال (کے فتنے) سے محفوظ رہے گا۔ (مسلم)

سورہ کہف کے ابتدائی حصے میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانے میں رومی سلطنت میں عیسائیوں پر سخت ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے اور انہیں اس بات پر مجبور کیا جا رہا تھا کہ وہ ایک خدا کو چھوڑ کر رومیوں کے معبودوں اور دیوتاؤں

کو تسلیم کریں اور انہی کے آگے سر جھکائیں' اس زمانے میں چند نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور وہ اس فتنہ عظیم سے بچنے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ چھاڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ہمیں بہرحال اپنے رب سے منہ نہیں موڑنا ہے اور نہ شرک کو اختیار کرنا ہے' خواہ کچھ ہو جائے۔ چنانچہ وہ بغیر کسی سہارے کے صرف اللہ کے بھروسے پر پہاڑوں میں جا کر ایک غار میں بیٹھ گئے..... فرمایا گیا کہ جو شخص سورہ کہف کی ان ابتدائی آیات کو یاد کر لے اور اپنے دل ودماغ میں بٹھا لے وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ دجال کا فتنہ بھی اسی نوعیت کا ہو گا جیسا کہ اس وقت ان نوجوانوں کو پیش آیا تھا..... اس لیے جس آدمی کے سامنے اصحاب کہف کی یہ نظیر موجود ہو گی وہ دجال کے آگے نہیں جھکے گا۔ البتہ جو آدمی اس نظیر کو بھول گیا وہ دجال کے فتنے میں مبتلاء ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر فرمایا گیا کہ جو شخص ان آیات کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لے گا وہ دجال کے فتنے سے بچ جائے گا۔

۱۹۔ سورہ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَیَعْجِزُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَقْرَاَ فِیْ لَیْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ' قَالُوْا وَکَیْفَ یَقْرَاُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ' قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ' وَرَوَاهُ الْبُخَارِیُّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

> نے ایک مرتبہ فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ ڈالے؟..... صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ایک رات میں تہائی قرآن کیسے پڑھ ڈالے؟..... آپ ﷺ نے فرمایا وہ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے کیونکہ یہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (مسلم بخاری")

قرآن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن ان مضامین پر مشتمل ہے:۔ ایک احکام دوسرے پچھلے انبیاء کے قصے اور حالات اور تیسرے عقائد کی تعلیم۔

چونکہ عقائد کی جڑ توحید ہے اور توحید کے بغیر عقیدۂ اسلام کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے اس لیے اس حدیث میں سورۂ اخلاص کو توحید کا مکمل بیان ہونے کی وجہ سے ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

غور کیجیے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تعلیم اور انداز تربیت کیسا بے نظیر تھا۔ حضور ﷺ ایسے الفاظ اور فقروں میں تعلیم دیتے تھے جن سے بات فوراً مخاطب کے دل میں اتر جاتی تھی۔ ایک آدمی کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کے لیے کہ سورۂ اخلاص کی کیا اہمیت ہے گھنٹوں تقریر کی جا سکتی ہے، لیکن حضور ﷺ نے اتنی بڑی بات کو صرف ایک فقرے میں ادا کر دیا کہ اگر تم سورۂ اخلاص ایک مرتبہ پڑھ لو تو یہ گویا ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ایک جملے سے اس سورت کی جو اہمیت آدمی کے دماغ میں بیٹھتی ہے وہ گھنٹوں کی تقریر سے بھی نہیں بیٹھ سکتی۔ یہ حضور ﷺ کا خاص طرز تربیت تھا جس سے آپ ﷺ نے صحابہؓ کی تربیت فرمائی۔

۲۰۔ سورۂ اخلاص...... اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بَعَثَ رَجُلاً عَلٰى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِاَصْحَابِهِ فِي صَلٰوتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَالَ سَلُوْهُ لِاَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فَسَاَلُوْهُ فَقَالَ لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَاَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو ایک فوجی دستے کا قائد بنا کر بھیجا۔ وہ صاحب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے ہوئے اپنی قرأت ہمیشہ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد** (سورۂ اخلاص) پر ختم کیا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ اس مہم سے واپس آئے تو انہوں نے نبی ﷺ سے یہ بات بیان کی۔ اس پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان صاحب سے جا کر پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ لوگوں نے ان سے جا کر پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کا وصف بیان کیا گیا ہے اس لیے میں اس کے پڑھنے کو محبوب رکھتا ہوں۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص کو جا کر خبر دو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

سَرِیَّة اس فوجی مہم کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ خود شامل نہ ہوں، اور اس کے برعکس غزوہ وہ فوجی مہم ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ بنفس نفیس شریک ہوں۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اور بعد میں بھی ایک مدت تک یہ دستور رہا کہ نماز کی امامت وہی شخص کرتا تھا جو جماعت کا امیر ہوتا تھا۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی فوجی دستے کا کمانڈر ہوتا تو نماز پڑھانا اسی کا کام ہوتا تھا۔ اسی طرح مرکز میں خلیفہ خود نماز پڑھاتا اور خطبہ دیتا تھا..... جس فوجی مہم کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اس کے کمانڈر کا یہ معمول تھا کہ وہ نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص لازماً پڑھتا تھا جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کے علم میں لائی گئی اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق اس شخص سے دریافت کرنے پر اس کی وجہ معلوم ہوئی تو حضور ﷺ نے اسے بشارت دی کہ جب تم یہ سورت اس بناء پر محبوب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وصف بہترین طریقے سے بیان ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں محبوب رکھتا ہے۔

گزشتہ حدیث میں یہ بتایا گیا تھا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو سورہ اخلاص پسند کرنے کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونے کی خوشخبری دی۔

دنیا کی کسی کتاب میں توحید کو اتنے مختصر الفاظ اور ایسے جامع انداز میں بیان نہیں کیا گیا ہے کہ اس سے دنیا میں پائی جانے والی تمام گمراہیوں کی جڑ ایک ساتھ کٹ جاتی ہو۔ تمام کتب آسمانی جو تھوڑی بہت اس وقت دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ اس مضمون سے خالی ہیں۔ اسی بناء پر جو لوگ اس چیز کو سمجھتے تھے اور اس کی روح کو جانتے تھے وہ اس سورت سے بڑی محبت رکھتے تھے...... خود اس سورت کا نام.......

سورۂ اخلاص...... ہی اس حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے کہ یہ وہ سورت ہے جو خالص توحید کا سبق دیتی ہے' ایسی توحید کہ جس کے ساتھ شرک کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ اس لیے جو شخص اس بناء پر اسے محبوب رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی محبوب ہے۔

۲۱۔ سورہ اخلاص سے محبت جنت میں داخلے کا سبب ہے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً قَالَ : یَا رَسُولَ اللّٰہِ اِنِّی اُحِبُّ ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ' قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ' قَالَ اِنَّ حُبَّكَ اِیَّاھَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّۃَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی الْبُخَارِیُّ مَعْنَاہُ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ' مجھے یہ سورت...... سورہ اخلاص..... بڑی محبوب ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس سورت کے لیے تیری محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔ (ترمذی' بخاری)

معلوم ہوا کہ اس سورت کا محبوب ہونا ایک فیصلہ کن چیز ہے۔ ایک شخص کے جنت میں جانے کا فیصلہ اس بات سے ہو گیا کہ اسے یہ سورت محبوب تھی۔۔ لیکن اس سورت کا محبوب ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ آدمی کا دل ہر شائبہ شرک سے بالکل پاک ہو اور خالص توحید اس کے دل میں گھر کر گئی ہو.... خالص توحید کا دل میں اترنا ہی جنت کی کنجی ہے۔ اگر توحید میں نقص ہو تو جنت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آدمی کی زندگی میں دوسری خامیاں اور نقائص ہوں تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے

گا لیکن توحید میں خلل ناقابل تلافی ہے۔ اول تو خالص توحید اگر کسی کے دل میں بیٹھ جائے تو اس کے اندر باقی خامیاں اور نقائص بہت ہی کم رہ جائیں گے لیکن اگر رہ بھی جائیں تو اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔ اور اگر بالفرض اسے توبہ کی توفیق بھی نصیب نہ ہوئی اور وہ توبہ کرنا بھول گیا تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مغفرت ہو جائے گی کیونکہ خالص توحید وہ اصل حقیقت ہے جس پر انسان کے خدا کا وفادار ہونے نہ ہونے کا انحصار ہے۔ جو آدمی خالص توحید کو مانتا ہے وہ خدا کے وفاداروں میں شامل ہے اور خدا کا معاملہ اپنے وفاداروں کے ساتھ وہ نہیں جو بے وفاؤں اور غداروں کے ساتھ ہوتا ہے...... اسی لیے نبی ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ اس سورت کو محبوب رکھنے نے تیرے جنت میں داخل ہونے کا فیصلہ کر دیا۔

۲۲۔ مُعَوِّذَتَین..... دو بے نظیر سورتیں

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلَمْ تَرَ اٰيٰتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: تم نے دیکھا، آج رات ایسی آیات اتری ہیں کہ کبھی ان کی نظیر نہیں پائی گئی اور وہ ہیں: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (یعنی سورۃ الفلق) اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (یعنی سورۃ الناس) (مسلمؒ)

یہاں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے متعلق حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بے مثال سورتیں ہیں' کبھی انکی نظیر نہیں پائی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی کتب آسمانی سورہ اخلاص کی طرح اس مضمون سے بھی خالی ہیں جو ان سورتوں میں اتنے مختصر اور جامع الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ دوسری بات جس کی بناء پر یہ سورتیں اہمیت رکھتی ہیں وہ یہ ہے کہ اگر ان دونوں سورتوں کے مضمون کو اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے تو یہ انسان کو ہر قسم کے اندیشوں اور خدشوں سے نجات دلا دیتی ہیں اور ایک آدمی حق کے راستے پر پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ چل سکتا ہے۔ پہلی سورت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ بات کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں اس رب کی جو صبح کو نکالنے والا ہے' ان تمام چیزوں کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہیں اور ان تمام خطرات سے جو رات کو پیش آتے ہیں اور ان تمام لوگوں کے شر سے جو طرح طرح کے جادو ٹونے اور اس طرح کے دوسرے افعال کرنے والے ہیں...... دوسری سورت میں یہ فرمایا گیا کہ کہہ دو کہ میں نے پناہ لی اس ہستی کی جو رَبُّ النَّاس ہے' اِلٰهُ النَّاس ہے اور مَلِكُ النَّاس ہے' تمام انسانوں اور شیاطین کے شر سے' جو دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔

اگر ایک آدمی اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق اور اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اور پھر ان تمام فتنوں اور شرور سے ڈرتا بھی رہتا ہے جن سے اس نے پناہ لی ہے تو زبان سے اس کا یہ الفاظ نکالنا بے معنی ہے۔ اگر وہ اخلاص سے اور سوچ سمجھ کر یہ بات کہتا ہے تو پھر اسے اس بات سے بے فکر ہو جانا چاہیئے کہ کوئی اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے کیونکہ جب اس نے اس خدا کی پناہ لے لی ہے جو ساری کائنات کا مالک ہے اور تمام انسانوں کا بھی مالک ہے' اور اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ اب مجھے کسی کے شر سے کوئی خطرہ نہیں ہے تو پھر اس کے بعد ڈرنے کے کوئی معنی

باقی نہیں رہتے۔ آدمی پناہ تو اسی کی لیا کرتا ہے جس کے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ اسے پناہ دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ اگر کوئی پناہ دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے پاس پناہ لینے والا کوئی بیوقوف ہی ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی کسی کی پناہ اس دوہرے یقین کی بناء پر لیتا ہے کہ ایک تو وہ اسے پناہ دینے کی قدرت رکھتا ہے اور دوسرے جن کے شر سے وہ بھاگ کر اس کے دامن میں پناہ لے رہا ہے ان سب کی قوت اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ جب تک اسے ان دو باتوں کا یقین نہ ہو وہ اس کی پناہ نہیں لے سکتا۔ اور اگر اس یقین کے ساتھ وہ اس کی پناہ لیتا ہے تو پھر کسی چیز کا خطرہ یا خوف محسوس کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اگر ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی ایسی قدرت اور عظمت کا یقین لے کر اس کے راستے میں کام کرنے کے لیے کھڑا ہو تو پھر وہ کسی کو خاطر میں نہیں لائے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہ ہوگی جس کے مقابلے میں اس کو کوئی خطرہ محسوس ہو یا وہ کسی خوف میں مبتلا ہو۔ وہ بالکل بے فکر ہو کر اللہ کے راستے میں کام کرے گا اور دنیا کی تمام طاقتوں کے ساتھ ٹکرا جائے گا۔

قرآن کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلے میں اپنے بھائی کے ساتھ ایک لاٹھی لیے ہوئے پہنچ گئے۔ آخر اتنی بڑی طاقت کے مقابلے میں صرف دو آدمی کیسے ڈٹ گئے۔؟ صرف اس لیے کہ انہیں اللہ کی پناہ کا یقین تھا۔ جب اللہ کی پناہ لے لی تو پھر اس کے بعد دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لی جا سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ساری دنیا کے مقابلے میں کیسے کھڑے ہو گئے؟ صرف اس بناء پر کہ آپ ﷺ کو اللہ پر بھروسہ تھا اور یہ یقین تھا کہ میری پشت پر خدا کی طاقت ہے جو ساری کائنات اور ساری طاقتوں کا مالک ہے۔ اس طرح درحقیقت خدا کی پناہ کا یقین اور بھروسہ وہ چیز ہے جس کی ضرورت سب سے زیادہ

ان لوگوں کو ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے کھڑے ہوں' جو خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لیے تمام طاقتوں کے مقابلے میں ڈٹ جانے کا عزم رکھتے ہوں' بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی ذرائع' کوئی لاؤ لشکر اور کوئی ساز و سامان ہو۔ انسان یہ جرائت اسی صورت میں کر سکتا ہے جب کہ اسے خدا کی پناہ کا یقین کامل ہو۔۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بے نظیر کلام ہے جو ان دونوں سورتوں میں آیا ہے کیونکہ اس میں ہر طرح کے فتنوں اور باطل قوتوں کے مقابلے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ لینے کی تعلیم دی گئی ہے اور اسی کے نتیجے میں ایک مؤمن کے اندر اس کی پناہ کا یقین پیدا ہوتا ہے۔

۲۴۔ قرآن کے الفاظ میں بھی برکت ہے

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَاَ فِيْهِمَا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَاُ بِهِمَا عَلٰى رَاْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ ﷺ رات کو سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹتے تو لیٹنے سے پہلے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں ملا کر ان میں سورۂ اخلاص' سورۂ الفلق اور سورۂ الناس پڑھ کر پھونکتے تھے۔ پھر

> آپ ﷺ اپنی ہتھیلیوں کو اپنے پورے جسم پر، جہاں جہاں تک آپ ﷺ کا ہاتھ پہنچتا تھا پھیرتے تھے۔ پہلے سر پر اور پھر جسم کے اگلے حصے پر..... ایسا آپ ﷺ تین مرتبہ کیا کرتے تھے (متفق علیہ)

کلام الٰہی اپنے الفاظ میں، اپنی آواز میں، اور اپنے مضمون میں، سبھی طرح برکت رکھتا ہے۔ یہ سراسر برکت ہی برکت ہے۔ رسول اللہ ﷺ جس طرح سے کلام الٰہی کو سمجھتے اور اسکے مطابق عمل فرماتے تھے اور اس کے منشا کے مطابق دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جدوجہد فرماتے تھے، اسی طرح سے آپ ﷺ اس کلام کی باقی تمام برکتوں سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً قرآن پڑھ کر پانی پر پھونکنا اور خود پینا یا کسی کو پلا دینا، یا اس کو ہاتھوں پر پھونکنا اور جسم پر ملنا۔ ان طریقوں سے قرآن کی برکت کا کوئی ظاہری اور باطنی پہلو آپ ﷺ نہیں چھوڑتے تھے......

آج بھی اگر کوئی شخص یہ عمل کرے تو صحیح اور پسندیدہ ہے اور باعث برکت ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس برکت کا فائدہ حقیقت میں وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو قرآن کے ظاہر کے ساتھ اس کے باطن سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ اگر ایک آدمی قرآن کے منشا کے خلاف زندگی گزار رہا ہو اور پھر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر اپنے اوپر پھوک بھی رہا ہوں تو سوال یہ ہے کہ وہ آخر کس شر سے خدا کی پناہ مانگ رہا ہے۔ شر تو اس نے اپنے اندر بھر رکھا ہے۔ کیا وہ اس شر سے پناہ مانگ رہا ہے کہ جو رشوت خوری وہ کر کے آیا ہے اس پر پولیس اسے نہ پکڑے۔ اس لیے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ قرآن کی یہ برکتیں صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جو فی الواقع قرآن کے منشا کے مطابق کام کر رہے ہوں۔ اس کے بعد قرآن کے الفاظ کی برکت بھی انہیں حاصل ہوگی۔ لیکن جو لوگ قرآن کے

الفاظ ومضامین سے رات دن لڑ رہے ہوں اور اپنے قول وفعل سے اس کے معانی کی نفی کر رہے ہوں ان کے لیے یہ برکتیں نہیں ہوسکتیں۔

الفصل الثانی

۲۴۔ قیامت کے روز کی تین فیصلہ کن چیزیں

قرآن۔ امانت، قرابت داری

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ: ثَلٰثَۃٌ تَحْتَ الْعَرْشِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَلْقُرْاٰنُ یُحَآجُّ الْعِبَادَ... لَہٗ ظَھْرٌ وَبَطْنٌ وَالْاَمَانَۃُ وَالرَّحِمُ تُنَادِیْ: اَلَا مَنْ وَّصَلَنِیْ وَصَلَہُ اللّٰہُ وَمَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَہُ اللّٰہُ. (شرح السُّنَّۃُ للبغویؒ)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں قیامت کے روز عرش کے نیچے ہوں گی۔ ایک چیز قرآن ہے جو بندوں کے حق میں یا ان کے خلاف مقدمہ لڑنے ہوگا اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ دوسری چیز امانت ہے اور تیسری چیز رحم یعنی قرابت داری ہے رحم پکار رہا ہوگا کہ جس نے صلہ رحمی کی اللہ اس کو جوڑے گا اور جس نے قطع رحمی کی اللہ اس کو کاٹے گا۔ (شرح السنہ)

قیامت کے روز قرآن مجید' امانت اور رشتہ داری کے عرش کے نیچے ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ چیزیں وہاں انسانی شکل میں کھڑی ہوں گی' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ اہم چیزیں ہیں جو قیامت کے روز انسان کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لیے سامنے موجود ہوں گی۔ اس چیز کو اس تمثیلی رنگ میں پیش کیا گیا کہ جیسے کسی بڑے بادشاہ کے حضور میں اس کے تین بڑے مقرب کھڑے ہوئے یہ بتا رہے ہوں کہ کون آدمی کیسا ہے اور کس سلوک کا مستحق ہے۔ اس طرح گویا اس بات کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ قیامت کے روز انسانوں کا فیصلہ کرنے میں سب سے پہلے جو چیز سامنے آئے گی وہ قرآن ہے۔ قرآن کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ یُحَاجُّ الْعِبَادَ۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی یہ ہیں کہ قرآن بندوں کے خلاف مقدمہ لڑے گا اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ بندوں کے حق میں مقدمہ لڑے گا۔

یہ وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ (قرآن یا تو تیرے حق میں حجت ہے یا تیرے خلاف) قرآن کے آجانے کے بعد اب معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اب یا تو وہ تمہارے حق میں حجت ہے اگر تم نے اس کے مطابق کام کیا ہے اور یا وہ تمہارے خلاف حجت ہے اگر تم نے اس کے خلاف کام کیا ہے۔ چنانچہ قیامت کے روز یہ قرآن بندے کے حق میں یا اس کے خلاف مقدمہ لڑنے والا ہو گا۔ ایک آدمی جب خدا کے حضور میں پیش ہو گا تو اس وقت اگر اس بات کا ثبوت مل کر کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی شکل میں اپنا جو فرمان اس کے پاس بھیجا تھا اس نے اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی ہے تو قرآن ہی اس کے حق میں حجت پیش کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرے گا کہ آپ کا بندہ آپ کے فرامین کے مطابق دنیا میں کام کر کے آیا ہے اس لیے اسے یہ اجر اور جزا عطا کی جائے۔ لیکن اگر وہ شخص قرآن پہنچ جانے کے باوجود اس کے خلاف

کام کرتا رہا تھا تو پھر قرآن ہی اس کے خلاف مقدمہ لڑنے والا ہوگا۔

پھر فرمایا کہ اس قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ مطلب یہ ہے کہ ایک چیز تو قرآن کے صاف صاف الفاظ میں جو ہر شخص پڑھ سکتا ہے' اور ایک چیز ان الفاظ کے معانی اور ان کا مدعا ہے۔ قیامت کے روز قرآن کے الفاظ بھی حجت ہوں گے اور اس کے معانی بھی۔ قرآن میں اگر صاف الفاظ میں ایک حکم بیان کر دیا گیا ہے کہ فلاں فعل ممنوع ہے اور کسی شخص نے اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیا تو اس صورت میں قرآن کے الفاظ اس کے خلاف حجت ہوں گے۔

اسی طرح قرآنِ مجید کے الفاظ کے اندر وہ مطالب ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن انسان میں کس قسم کے اخلاق کو ابھارنا چاہتا ہے اور کس قسم کے اخلاق کو دبانا چاہتا ہے۔ کون سی چیز اللہ کو پسند ہے اور کونسی ناپسند اس طرح پورا قرآن یہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ طرزِ زندگی کیا ہے اور کیا نہیں۔ اب اگر کسی شخص نے اس کے خلاف طرزِ زندگی اختیار کر رکھا ہے تو پورے قرآن کی روح اور اس کے معانی اس شخص کے خلاف ہوں گے۔

دوسری چیز جو عرش کے نیچے بندوں کے خلاف مقدمے کا فیصلہ کرنے میں قرآن کے بعد اہم ترین ہوگی وہ امانت ہے..... امانت کے محدود معنی یہاں مراد نہیں ہیں امانت کا عام مفہوم لوگوں کے ذہن میں یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے پاس روپیہ یا زیور یا کوئی اور چیز کچھ وقت کے لیے اس اعتماد پر رکھے کہ حسب طلب اس کو واپس مل جائے گی تو یہ امانت ہے۔ لیکن امانت کا یہ تصور بہت محدود ہے۔ امانت کے معنی دراصل یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے سپرد اپنا کوئی حق اس اعتماد پر کرے کہ وہ اس کے حق کو مارے گا نہیں تو یہ چیز امانت ہے اگر کوئی شخص اس

امانت میں خیانت کرتا ہے تو قیامت کے روز امانت اس کے خلاف گواہی دے گی۔

اب دیکھئے، ہمارے پاس سب سے پہلی امانت کیا ہے؟ ہمارے پاس سب سے پہلی امانت ہمارا یہ جسم ہے جو ہمارے خدا نے ہمیں عطا کیا ہے۔ اس سے زیادہ قیمتی چیز دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ پورا جسم تو درکنار اس کی کسی ایک قوت سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح خدا کی یہ زمین ہے۔ اس پر جو اختیارات ہم میں سے ہر شخص کو حاصل ہیں، کسی کو زیادہ اور کسی کو کم، یہ سب امانت ہیں۔ اس کے بعد آپ دیکھئے کہ انسانی تعلقات میں ہر طرف امانتیں ہی امانتیں ہیں۔ انسانی تعلقات کا آغاز نکاح سے ہوتا ہے اور اس طرح پورے انسانی تمدن کی بنیاد ایک عورت اور ایک مرد کے ازدواجی تعلق پر ہے کیونکہ اسی سے انسانی معاشرہ جنم لیتا ہے یہ سب کی سب امانت ہے عورت اپنی زندگی ایک مرد کے سپرد اس اعتماد پر کرتی ہے کہ وہ ایک شریف آدمی ہے اور اس کے ساتھ اچھے طریقے سے نباہ کرے گا۔ ایک مرد ایک عورت کی ذمہ داری ساری عمر کے لیے اس اعتماد پر قبول کرتا ہے کہ وہ ایک شریف عورت ہے اور زندگی کے ہر نشیب و فراز میں وہ اسکا ساتھ دے گی۔ اس نے اپنا مال، عزت، آبرو، غرض جو چیز اس کے حوالے کی ہے وہ اس میں خیانت نہیں کرے گی۔ اسی طرح اولاد کا وجود بھی سراسر اعتماد پر مبنی ہے۔ اولاد اپنے والدین پر یہ اعتماد کرتی ہے کہ وہ ہمارے حق میں بھلائی کریں گے اور جان بوجھ کر ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کریں گے اولاد کی فطرت میں یہ اعتماد پایا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ الفاظ میں اس کا اظہار ہو یا نہ ہو۔ ایک چھوٹا بچہ جو ابھی پیدا ہوا ہے وہ اپنی فطرت میں ایک اعتماد لے کر پیدا ہوتا ہے کہ گویا اس کے اور اس کے والدین کے درمیان ایک غیر تحریری معاہدہ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی وجود میں آجاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی بیٹی کو کسی کے نکاح میں دیتا ہے وہ اس کی شرافت پر اعتماد کرکے دیتا ہے

ایک آدمی اگر کسی کی بیٹی کو بیاہ کر لاتا ہے تو وہ اس کے خاندان کی شرافت پر اعتماد کر کے بیاہ کر لاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ رشتہ داروں کا ہے کہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہر ہمسایہ اپنے ہمسائے پر یہ اعتماد کرنے پر مجبور ہے کہ اس کی جان و مال اور عزت و آبرو اس کے ہاتھوں محفوظ ہے اسی طرح آپ اپنی پوری زندگی میں یہ دیکھیں گے کہ تمام انسانی تعلقات اس امانت داری اور اعتماد پر مبنی ہیں کہ اگر ایک آدمی کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جا رہا ہے تو وہ معاملہ کرنے والے کے کسی حق میں خیانت نہیں کرے گا۔ کسی ملک کا پورا نظام حکومت ایک امانت ہی تو ہے پوری قوم اپنی امانتیں حکومت کے حوالے کر دیتی ہے وہ اپنا مستقبل' اور اپنے تمام ذرائع و وسائل اس کے حوالے کرتی ہے حکومت کے جتنے ملازمین ہیں ان کے سپرد امانتیں ہی تو کی گئی ہیں۔ اسمبلیوں کے ارکان کو پوری قوم اپنی امانت ہی تو سونپتی ہے۔ لاکھوں آدمیوں پر مشتمل ملک کی یہ فوج جسے قوم منظم کر کے خود اپنے ملک میں رکھتی ہے اور حربی اہمیت کے مقامات پر لا کر بٹھاتی ہے اسے اپنے خرچ سے ہتھیار فراہم کر کے دیتی ہے اور اپنی آمدنیوں کا ایک حصہ کاٹ کر ان کی تنخواہوں کا انتظام کرتی ہے یہ اس اعتماد پر ہی تو بنائی اور رکھی جاتی ہے کہ وہ ملک کی حفاظت کا فریضہ انجام دے گی اور جو ذمہ داری اس کے سپرد کی گئی ہے اس میں خیانت نہیں کرے گی۔ اب اگر ان ساری امانتوں میں ہر طرف خیانت ہونے لگے تو انسانی تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو جائے۔ اسی بناء پر یہ امانت وہ عظیم الشان چیز ہے جو قیامت کے روز انسان کے خلاف یا اس کے حق میں مقدمہ لڑنے کے لیے موجود ہو گی۔ جس نے جتنی زیادہ خیانتیں کی ہوں گی وہ وہاں اتنا ہی بڑا مجرم شمار ہو گا اور جس نے ان امانتوں کا جتنا زیادہ حق ادا کیا ہو گا۔ وہ اتنا ہی زیادہ خدا کے انعام کا مستحق ٹھہرے گا۔

تیسری چیز جو قیامت کے روز غیر معمولی اہمیت کی حامل ہو گی وہ رحم ہے' یعنی

رشتہ داری۔ رشتہ داری وہ چیز ہے جس پر انسانی تمدن کی تعمیر ہوئی ہے انسانی تمدن کا آغاز ہی اس طرح ہوا ہے کہ ایک انسان کی اولاد اور پھر اس کے بعد اسکے دوسرے رشتہ دار جب جمع ہوتے ہیں تو ایک خاندان یا قبیلہ بنتا ہے اور جب بہت سے خاندان اور قبیلے جمع ہوتے ہیں تب ایک قوم بنتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن میں صلہ رحمی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور قطع رحمی کو انسانی تہذیب و تمدن کا جڑ کاٹنے والی چیز قرار دیا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ رحم یعنی خونی رشتہ داری وہ تیسری چیز ہے جس پر قیامت کے روز انسانوں کا فیصلہ ہوگا۔ اس روز رحم پکار کر کے گا کہ جس نے مجھے جوڑا اللہ اسے جوڑے گا اور جس نے مجھے کاٹا اللہ اسے کاٹے گا۔ جب ایک آدمی اپنے رشتہ داروں کے مقابلے میں بے رحم ہو اور ان کے ساتھ سرد مہری برتنے والا ہو تو پھر وہ دنیا میں کسی کا دوست نہیں بن سکتا۔ اس کے بعد اگر وہ کسی کا دوست بنتا ہے تو محض اغراض و مفاد کے لیے دوست بنتا ہے۔ اس کا مفاد جہاں تک اس کا ساتھ دیتا ہے وہاں تک وہ دوست ہوتا ہے اور جہاں اس کے مفاد پر زد پڑتی ہے وہیں وہ اپنے دوست کے ساتھ غداری کرتا ہے۔ یہ عین فطری بات ہے کہ جو اپنے بھائی کا نہ ہوا وہ کسی اور کا کیا ہوگا۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں صلۂ رحمی کو اس قدر زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اس چیز کا ذکر یہاں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

۲۵۔ صاحب قرآن کا درجہ

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ کَمَا کُنْتَ تُرَتِّلُ فِی الدُّنْیَا مَنْزِلُكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰیَةٍ تَقْرَؤُھَا۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا میں قرآن سے شغف رکھتا تھا (قیامت کے روز) اس سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور بلندی کی طرف چڑھتا جا' اور اسی رفتار سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا۔ تیری منزل وہ آخری آیت ہو گی جہاں تک تو پڑھتا جائے گا۔ (احمدؒ۔ ترمذیؒ۔ ابو داوٗدؒ۔ نسائیؒ)

صاحب قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن سے شغف رکھنے کی بنا پر ممتاز ہو۔ جیسے صاحب الحدیث ہم اسے کہتے ہیں جو حدیث سے زیادہ شغف رکھنے والا ہو۔ گویا کسی خاص چیز کا صاحب وہ شخص ہوتا ہے جو اس چیز کے ساتھ خاص نسبت' تعلق اور شغف رکھتا ہو۔ چنانچہ صاحب قرآن وہ شخص ہے جو دنیا میں قرآن سے زیادہ شغف رکھتا تھا اور قرآن کے پڑھنے' سمجھنے اور غور کرنے میں زیادہ مشغول رہتا تھا۔ قیامت کے روز اس سے یہ کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور بلند درجات کی طرف ترقی کرتا چلا جا۔ تیری منزل وہ ہے جہاں تو جا کر آخر کار ٹھہرے گا یعنی جس مقام پر تو قرآن کی آخری آیت پڑھے گا وہ مقام تیرے لیے ہمیشہ ہمیشہ قیام کرنے کا ہو گا۔ اس لیے فرمایا کہ جیسے ٹھہر ٹھہر کر اور آہستہ آہستہ تو دنیا میں پڑھتا تھا اسی طرح سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ تاکہ تو زیادہ اونچی منزل پر پہنچ جائے۔

۲۶۔ جس سینے میں قرآن نہیں وہ ایک ویرانہ ہے

عَنْ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے سینے میں قرآن نہیں ہے اس کی مثال اجڑے ہوئے گھر کی سی ہے۔ (ترمذیؒ۔ دارمیؒ)

اگر کسی کا سینہ قرآن سے خالی ہے تو وہ ایک ایسا ویران گھر ہے جس میں بسنے والا کوئی نہیں ہے اس سینے میں کوئی چیز ایسی موجود نہیں ہے جس کی بنا پر اسے ایک صاحب ضمیر اور ذی شعور انسان کا سینہ کہا جاسکے۔

۲۷۔ اللہ کا کلام دوسرے کلاموں سے اسی طرح افضل ہے جس طرح خود اللہ تعالیٰ!

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَنْ شَغَلَہُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِکْرِیْ مَسْاَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ، وَفَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ وَالْبَیْہَقِیُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن مجید (کے مطالعہ) نے میرا ذکر کرنے اور مجھ سے دعا مانگنے سے روکا اس کو وہ افضل ترین چیز دوں گا جو دعا مانگنے والوں کو دیتا ہوں۔ اس کے

بعد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کے کلام کی فضیلت باقی کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر ہے۔ (ترمذیؒ۔ دارمیؒ۔ بیہقیؒ)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھنے میں اس طرح مشغول رہا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے دوسرے اذکار و اوراد (مثلاً سُبْحَانَ اللّٰہِ' اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وغیرہ) پڑھنے کی فرصت نہیں ملی' یہاں تک کہ دعا مانگنے کا بھی وقت نہیں ملا تو اسکے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ جو بڑی سے بڑی چیز وہ دعا مانگنے والے کو دیتا ہے وہ اس شخص کو اس کے دعا مانگے بغیر صرف قرآن پڑھنے کی برکت سے عطا کرے گا۔

یہ حدیث قدسی ہے۔ حدیث قدسی وہ ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان کیا ہو کہ اللہ تعالیٰ ایسا فرماتا ہے۔ حدیث قدسی اور قرآن میں فرق یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف نازل کردہ ہیں اور اس کے مضامین بھی۔ ان کے نازل ہونے کے بعد ان کو کتاب اللہ کا جزو بنا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام جب قرآن لاتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کو یہ بتا دیتے تھے کہ یہ قرآن کی آیت ہے اور اس کا محل فلاں آیت سے پہلے اور فلاں کے بعد ہے۔ اس کے برعکس حدیث قدسی میں الفاظ تو رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں لیکن معنیٰ وہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دل پر القاء کیے ہوں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث قدسی میں الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں لیکن ان کو قرآن کا جزء بنانا مقصود نہیں ہوتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے متعدد دعائیں رسول اللہ ﷺ کو سکھائی ہیں۔ نماز میں جو اذکار پڑھے جاتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ سب اس غرض کے لیے نہیں تھے کہ انہیں قرآن کا جزء بنایا جائے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الٰہی الفاظ میں کوئی مضمون آتا تھا تو واضح طور پر بتا دیا جاتا تھا کہ یہ قرآن

میں شامل کرنے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔

یہ حدیث قدسی أعْطِي السائلِينَ پر ختم ہو جاتی ہے۔ اب رسول اللہ ﷺ خود فرماتے ہیں کہ اللہ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ویسی ہی ہے جیسی خود اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر ہے۔ جب یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو یہ مخلوق کے کلام سے اتنا ہی افضل ہے جتنا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے افضل ہے۔ اوپر کے قول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا اضافہ اس لیے فرمایا کہ قرآن کے ماسوا مختلف اذکار اور اوراد کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا جو بھی ذکر کیا جاتا ہے اس کا واسطہ انسانی کلام ہے خدا کا کلام نہیں ہے اور انسانی کلام خواہ کتنا ہی افضل اور اعلیٰ ہو وہ اللہ کے کلام کے مقابلے میں تو فروتر ہی ہوگا۔ اللہ کے کلام کو اس پر وہی برتری حاصل ہے جو اس کو اپنی مخلوق پر ہے۔ اس لیے جتنا وقت بھی تم نے اللہ کے کلام کو پڑھنے میں صرف کیا وہ بڑے قیمتی کام میں صرف ہوا۔ کوئی وظیفہ پڑھتے یا دعا مانگتے تو اپنا وقت کمتر درجے کے کام میں صرف کرتے۔ اس طریقے سے رسول اللہ ﷺ نے یہ واضح فرمادیا کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے یا دعا مانگنے کے بجائے اپنا وقت قرآن ہی پڑھنے میں صرف کر رہا ہو تو اسے وہ سب کچھ ملتا ہے جو دعا مانگنے والوں کو ملتا ہے۔

۴۸۔ قرآن کے ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ہیں

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ قَرَاَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ۔ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَ مِيْمٌ حَرْفٌ۔ (رَوَاهُ

اَلتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھتا ہے اس کے بدلے میں اس کی ایک نیکی شمار ہوتی ہے اور (قرآن میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ) ہر نیکی کے بدلے میں دس گنا اجر ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ الم ایک حرف ہے نہیں' بلکہ الف ایک حرف ہے' لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (ترمذیؒ۔ دارمیؒ)

۲۹۔ قرآن ہر زمانے کے فتنوں سے بچانے والا ہے

عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ قَالَ مَرَرْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ یَخُوْضُوْنَ فِی الْاَحَادِیْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰی عَلِیٍّ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَوَ فَعَلُوْهَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَمَا اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اَلَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ' قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ' فِیْهِ نَبَاُ مَا قَبْلَكُمْ وَ خَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَ حُكْمُ مَا بَیْنَكُمْ' هُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْهَزْلِ' مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَ مَنِ ابْتَغَى الْهُدٰی فِیْ غَیْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ' وَ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ وَ هُوَ الذِّكْرُ الْحَكِیْمُ وَ هُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ' هُوَ الَّذِیْ لَا تَزِیْغُ

بِهِ الْاَهْوَاءُ وَ لَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَ لَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَ لَا يَنْقَضِيْ عَجَائِبُهٗ هُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدٰى اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت حارث اعور بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں (کوفے کی) مسجد میں لوگوں کے پاس سے گزرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ لایعنی باتوں میں مشغول ہیں۔ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے انہیں اس چیز کی خبر دی (کہ لوگ اس طرح مسجد میں بیٹھے ہوئے فضول باتیں کر رہے ہیں) حضرت علیؓ نے فرمایا: کیا لوگ واقعی ایسا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا ہاں! اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے "خبردار رہو! عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے"۔ میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ" اس سے بچنے کی صورت کیا ہوگی؟..... حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کتاب اللہ..... اس میں اس چیز کی خبر بھی ہے کہ تم سے پہلے کی قوموں پر کیا گزری' اور اس بات کی خبر بھی ہے کہ تمہارے بعد میں آنے والوں پر کیا گزرے گی' اور اس چیز کا ذکر بھی ہے کہ تمہارے معاملات کے درمیان فیصلہ

کرنے کی صورت کیا ہے..... یہ قرآن ایک سنجیدہ اور فیصلہ کن کلام ہے، کوئی مذاق کی چیز نہیں ہے..... جو کوئی ظالم و جبار شخص اس قرآن کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو کچل کر رکھ دے گا اور جس نے اسے چھوڑ کر کسی اور جگہ سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا..... اور یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور یہ حکیمانہ نصیحت ہے، اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ یہ قرآن وہ چیز ہے کہ تخیلات اسے غلط راستے پر نہیں لے جا سکتے اور زبانیں اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں کر سکتیں۔ اور علماء کبھی اس سے سیر نہیں ہو سکتے۔ اور خواہ اس کو کتنا ہی پڑھو یہ پرانا نہیں ہوتا اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ یہ قرآن ایسی چیز ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو وہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ..... "ہم نے ایک بڑا ہی عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی طرف راہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں"..... جو شخص قرآن کے مطابق بات کرے گا وہ سچی بات کرے گا اور جو اس کے مطابق عمل کرے گا یقیناً اجر پائے گا اور جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا ضرور عدل کا فیصلہ کرے گا، اور جو لوگوں کو اس کی پیروی کی دعوت دے گا وہ سیدھے راستے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرے گا۔" (ترمذیؒ۔ دارمیؒ)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے قرآن مجید کی اولین خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس میں گزشتہ قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ جن قوموں نے بھلائی کی روش اختیار کی ان کی اس روش کا کیا نتیجہ برآمد ہوا اور جن قوموں نے

سیدھی راہ اختیار نہ کی ان کا کیا انجام ہوا۔ اسی طرح یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آئندہ غلط راستے پر چلنے والوں کا کیا انجام ہونا ہے اور صحیح راستے پر چلنے والوں کے لیے کیا بھلائی مقدر ہے۔ مزید برآں اس میں یہ بات بھی سمجھا دی گئی ہے کہ اگر کبھی تمہارے درمیان اختلافات رونما ہوں تو ان کا فیصلہ کس طرح کیا جانا چاہیئے۔

☆ **هُوَ الْفَصْلُ** کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید دوٹوک اور فیصلہ کن بات کہتا ہے اور پوری سنجیدگی کے ساتھ کہتا ہے۔ اس میں کوئی ایک بات بھی بطور مذاق نہیں کہہ دی گئی ہے کہ اس کے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق واقع نہ ہوتا ہو۔

پھر فرمایا کہ جو شخص قرآن کو چھوڑ کر کسی اور جگہ سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اسے گمراہ کردے گا۔ مراد یہ ہے کہ اس کتاب کے سوا اب اور کسی جگہ سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ اگر کسی دوسرے ذریعے کی طرف رجوع کرو گے تو سوائے گمراہی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

☆ فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کی رسی ہے 'یعنی یہ بندوں اور خدا کے درمیان تعلق کا واحد ذریعہ ہے اگر کسی نے اس کو تھاما تو خدا سے اس کا تعلق قائم ہو گیا اور اگر اس کو چھوڑ دیا تو خدا سے اس نے اپنا تعلق کاٹ لیا۔

☆ قرآن کے حکیمانہ نصیحت ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ ایک ایسی نصیحت ہے جو سراسر حکمت اور دانائی پر مبنی ہے۔

☆ فرمایا گیا کہ قرآن وہ چیز ہے جسے تخیلات غلط راستے پر نہیں لے جاسکتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کو اپنا راہنما بنالے' اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور زندگی میں پیش آنے والے مسائل و معاملات میں اسی کی طرف رجوع کرے تو پھر اسے نہ اس کے اپنے تخیلات بھٹکا سکتے ہیں اور نہ

دوسروں کے خیالات گمراہ کرسکتے ہیں۔ البتہ اگر ایک آدمی پہلے سے بعض تخیلات کو اپنے ذہن میں راسخ کرچکا ہو' اور یہی نہیں بلکہ قرآن کو بھی ان کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہو تو اس صورت میں اس کے لیے ان تخیلات سے بچاؤ کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ ہاں اگر ایک شخص خلوص دل کے ساتھ قرآن ہی سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ فیصلہ کرکے بیٹھتا ہے کہ جو کچھ یہاں ملے گا وہ اسے مانے گا اور جو کچھ نہیں ملے گا وہ اسے نہیں مانے گا تو ایسے شخص کو نہ اپنے تخیلات بھٹکائیں گے اور نہ دوسروں کے افکار گمراہ کرسکیں گے۔

☆ پھر ارشاد ہوا کہ زبانیں اس قرآن میں کسی طرح کی آمیزش نہیں کرسکتیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا محفوظ کردیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے اندر کسی انسانی کلام کی آمیزش کرنا بھی چاہے تو نہیں کرسکے گا۔

یہ واقعہ ایک صریح معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تھی تو اس وقت یہ کلام ابھی پیش ہی کیا گیا تھا لیکن آج تقریباً چودہ سو برس گزر چکے ہیں اور کوئی شخص آج تک اس کے اندر کسی طرح کا ردوبدل نہیں کرسکا۔ اس وقت تو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے سوا اس بات کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا کہ قرآن میں کسی طرح کی آمیزش نہیں ہوسکے گی' اور یہ بات بہرحال پیشگی علم کی بنا پر کہی گئی تھی' لیکن آج یہ بات صدیوں کے تجربے سے ثابت ہوچکی ہے کہ جو کچھ کہا گیا تھا وہ فی الواقع حق تھا۔ اسی چیز کا نام معجزہ ہے۔

☆ فرمایا کہ علماء کبھی اس سے سیر نہیں ہوسکتے۔ یعنی ایک عالم' قرآن کو پڑھنے سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے میں اپنی عمر گزار دے گا لیکن کبھی اس سے سیر نہیں ہوسکے گا۔ اس پر کوئی وقت ایسا نہیں آئے گا جب وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قرآن سے

اسے جو کچھ سمجھنا تھا وہ سب کچھ اس نے سمجھ لیا اور اب اسے مزید کسی علم کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آج تک کبھی کسی عالم کی زبان پر یہ بات نہیں آئی ہے کہ اب میں قرآن سے سیر ہو چکا ہوں، اب اس میں مزید کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو مجھے حاصل کرنی ہو۔

☆ پھر فرمایا کہ قرآن کو خواہ کتنا ہی پڑھو یہ پرانا نہیں ہوتا۔

آپ کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبے کی کتاب کو بھی زیادہ سے زیادہ دو چار یا حد سے حد دس بیس مرتبہ پڑھیں گے بالا آخر اکتا جائیں گے لیکن قرآن وہ کتاب ہے کہ عمر بھر اور بار بار پڑھی جانے کے باوجود طبعیت اس سے نہیں بھرتی۔خصوصاً سورہ فاتحہ تو دن میں لگ بھگ پچاس مرتبہ پڑھی جاتی ہے لیکن معاذاللہ کبھی کسی کے دل میں یہ بیزاری پیدا نہیں ہوتی کہ کب تک وہ ایک ہی چیز کو دہراتا رہے۔لا ریب یہ اس کلام کا ایک معجزہ ہے اور اس کی غیر معمولی خوبی کا ایک نشان۔

☆ ارشاد ہوا کہ قرآن کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔۔واقعہ یہ ہے کہ آدمی کی عمر قرآن مجید کو پڑھتے ،اس پر غور کرتے اور تحقیق کرتے گزر جاتی ہے لیکن اس کے عجائب ختم ہونے میں نہیں آتے۔بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی چالیس چالیس اور پچاس پچاس برس کے مطالعے کے بعد کسی وقت قرآن کو کھول کر پڑھتا ہے تو کوئی آیت ایسی سامنے آتی ہے جسے پڑھ کر وہ محسوس کرتا ہے گویا آج پہلی مرتبہ پڑھی ہے۔کوئی ایسا مضمون اس سے نکلتا ہے جو عمر بھر کے مطالعہ میں بھی نہیں نکلتا۔اسی لیے فرمایا گیا کہ اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔

☆ قرآن مجید کو سن کر جنوں کے ایمان لانے کا واقعہ سورۂ جن اور احقاف میں بیان ہوا ہے۔اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایسا موثر کلام ہے کہ انسان تو

انسان جن بھی اگر اس کلام کو ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو کر کھلے دل سے سنیں تو وہ بھی اس بات کی شہادت دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ قرآن راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور صرف اسی پر ایمان لا کر راہ ہدایت مل سکتی ہے۔

☆ قرآن مجید کی ان تمام صفات کی بنا پر نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ زمانے میں جو فتنہ آنے والا ہے اس سے بچانے والی چیز سوائے قرآن کے اور کوئی نہیں ہوگی اور اس بات کی وضاحت فرمادی کہ قرآن کی کیا خصوصیات اور کیا کمالات ہیں جن کی بنا پر یہ قیامت تک انسان کو ہر فتنے سے بچاتا رہے گا۔

۴۰۔ حامل قرآن کے والدین کو ایک روشن تاج پہنایا جائے گا

عَنْ مُعَاذِنِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ أُلْبِسَ وَالِدَهُ تَاجًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهٗ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت مُعَاذِ جُهَنِي رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے قیامت کے روز اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی ایسی ہوگی کہ اگر سورج بھی تمہارے گھروں میں اتر آئے تو وہ اس کی روشنی سے عمدہ ہوگی...... پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ جو شخص خود قرآن کے مطابق عمل کرنے والا ہے اس کی شان کیا ہو

گی۔ (احمد، ابوداؤد)

یہاں ان والدین کا ذکر نہیں ہے جو اپنی اولاد کو قرآن پڑھنے سے روکتے ہیں اور قرآن پڑھنے والے بچے سے یہ کہتے ہیں کہ یہ تو ملا بن گیا ہے اب یہ ہمارے کس کام کا۔ یہ کیا دنیا کمائے گا' یہ تو قرآن پڑھنے میں لگ گیا ہے۔ اس کے برعکس یہاں ان والدین کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے بچے کو قرآن پڑھایا اور اسے ایسی تربیت دی کہ وہ ان کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی قرآن پڑھتا رہا' اور اس نے اپنی عملی زندگی کی تعمیر بھی اس کے مطابق کی۔ اس کے قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا نہ صرف یہ کہ خود اس کو اجر ملے گا بلکہ اس کے والدین بھی اجر پائیں گے۔ وہ اجر یہ ہو گا کہ قیامت کے روز انہیں بزرگی اور افتخار کا روشن تاج پہنایا جائے گا...... اس چیز سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص خود قرآن کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی کیا کچھ مہربانیاں ہوں گی اور وہ کیا کچھ اجر پائے گا۔

۳۱۔ قرآن کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ بہت جلد فراموش ہو جاتا ہے

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : تَعَاھَدُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَھُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِّنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن مجید کو ذہن میں محفوظ رکھنے اور یاد رکھنے کا اہتمام کرو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں

میری جان ہے یہ ذہن سے نکلنے کے لیے اسی طرح' بلکہ اس سے بھی زیادہ جلدی کرتا ہے' جس طرح بندھے ہوئے اونٹ رسی تڑا کر بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (متفق علیہ)

مراد یہ ہے کہ اگر آدمی قرآن مجید کو یاد کرنے کے بعد اسے یاد رکھنے کی فکر نہ کرے تو یہ آدمی کے ذہن سے اس طرح فرار کرتا ہے جس طرح اونٹ رسی تڑا کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے.... اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا نفس قرآن مجید کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ انسان اسے پوری ارادی قوت کے ساتھ قرآن کو قبول کرنے اور ذہن نشین کرنے پر مجبور نہ کرے۔ اگر یہ اہتمام نہ کیا جائے تو وہ قرآن مجید کو اگل دینے اور اس سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اس کے اندر یہ کمزوری موجود ہے کہ وہ قرآن کی عاید کردہ پابندیوں سے نکلنا چاہتا ہے وہاں حدود سے تجاوز کرنا چاہتا ہے جو قرآن اس کے لیے مقرر کرتا ہے اسی وجہ سے ایک بندۂ نفس جو اپنے نفس پر جبر کر کے اسے خدا کی اطاعت پر آمادہ کرنے والا نہیں ہوتا وہ بعض اوقات قرآن کو سنتے ہوئے گھبراتا ہے کہ نہ معلوم کون سی آیت ایسی آجائے جو اس پر حجت تمام کر کے اسے مجبور کر دے کہ وہ اپنے غلط اور ناجائز کاموں سے باز آجائے۔ اسی لیے فرمایا کہ قرآن کو یاد کرنے کے بعد اسے ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرو تاکہ یہ تمہاری غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے فراموش نہ ہو جائے۔

۳۲۔ قرآن کو یاد کر کے بھلا دینا بہت بری بات ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِئْسَ مَا لِاَحَدِهِمْ اَنْ يَّقُوْلَ نَسِيْتُ آيَةً

كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْاٰنَ فَإِنَّهٗ اَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ: بِعُقُلِهَا)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی کے لیے بہت بری بات ہے کہ وہ یہ کہے: "میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں"..... اصل بات یہ ہے کہ وہ' اسے اس کی غفلت کی بنا پر بھلا دیا جاتا ہے۔ قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو کیونکہ وہ لوگوں کے سینوں سے اونٹوں سے بھی بڑھ کر نکل بھاگنے کی کوشش کرتا ہے (ان اونٹوں سے جو رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں) (متفق علیہ)

یہاں بھی وہی چیز دوسرے پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ کسی شخص کے لیے قرآن مجید کو یاد کرنے کے بعد بھلا دینا بہت بری بات ہے۔ اس کا بھول جانا دراصل اس بات کی علامت ہے کہ اس نے قرآن کی پرواہ نہیں کی اور اسے یاد کرنے کے بعد اس کی طرف توجہ نہیں دی..... اب چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرف سے بے نیازی برتتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ بھی اسے بھلا دیتا ہے۔ وہ اپنا کلام ایسے آدمی کے پاس رکھنا پسند نہیں کرتا جو اس کا قدر شناس نہ ہو۔۔۔ اس لیے فرمایا کہ قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو اور یاد کرنے کے بعد اسے بھلا نہ دو۔

۳۳۔ قرآن یاد کرنے والے کی مثال

عَنِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْاٰنِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ اِنْ عَاهَدَ عَلَیْهَا اَمْسَکَهَا وَاِنْ اَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قرآن یاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پاس بندھے ہوئے اونٹ ہوں۔ اگر وہ ان کی حفاظت کی فکر کرے گا تو وہ اس کے پاس رہیں گے اور اگر وہ انہیں آزاد کر دے گا تو وہ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ، حضرت عبداللہ ؓ بن مسعود اور حضرت عبداللہ ؓ بن عمر ؓ سے تین مختلف روایتوں میں ایک ہی جیسا مضمون الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر یہ بات لوگوں کو ذہن نشین کرائی ہے کہ جتنا قرآن یاد کرو اسے یاد رکھنے کی کوشش بھی کرو۔ اگر اسے بار بار تکرار کے ذریعے سے ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کروگے تو یہ تمہارے ذہن سے نکل جائے گا۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ قرآن کے حفاظ ہمیشہ قرآن دہراتے رہتے ہیں۔ اگر انہیں رمضان میں قرآن سنانا ہو تو اس کے لیے انہیں کافی پہلے سے تیاری کرنی پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر آدمی قرآن یاد کرنے کے بعد اسے محفوظ رکھنے کا اہتمام نہ کرے تو یہ بہت جلد فراموش ہو جاتا ہے۔

۲۴۔ قرآن کو دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ پڑھو

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوْبُکُمْ، فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْہُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن اس وقت تک پڑھو جب تک کہ تمہارا دل اس میں لگا رہے۔ جب دل نہ لگ رہا ہو تو پڑھنا چھوڑ دو۔ (متفق علیہ)

مراد یہ ہے کہ آدمی ایسی حالت میں قرآن نہ پڑھے جب کہ اس کا ذہن قرآن کی طرف پوری طرح متوجہ نہ ہو۔ آدمی جتنا کچھ دلچسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھ سکتا ہو اتنا کچھ پڑھے۔ اصل چیز منزل پوری کرنا نہیں ہے بلکہ قرآن کو پوری توجہ سے اور اس کے معنی سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے پڑھنا ہے یہ نہیں ہے کہ اگر آپ نے ایک پارہ پڑھنے کا ارادہ کیا ہے تو آپ اس حالت میں بھی بیٹھے ہوئے اسے پڑھتے رہیں جبکہ آپ کا ذہن اس کی طرف یکسو نہ ہو رہا ہو۔ اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ آپ ایک ہی رکوع پڑھیں لیکن اچھی طرح سے دل لگا کر پڑھیں۔ اگر آدمی یہ نہ کر سکے تو محض منزل پوری کر لینے سے کیا حاصل۔

۳۵۔ رسول اللہ ﷺ کا طرز قرأت

عَنْ قَتَادَۃَ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ کَیْفَ کَانَتْ قِرَاءَۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: فَقَالَ کَانَتْ مَدًّا مَدًّا ثُمَّ قَرَاَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یَمُدُّ بِبِسْمِ اللّٰہِ وَیَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَیَمُدُّ بِالرَّحِیْمِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی ﷺ کی قرأت کا طریقہ کیا تھا۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ آپ ﷺ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر (یعنی پوری طرح ادا کرتے ہوئے) پڑھتے تھے پھر انہوں نے خود **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** پڑھ کر سنائی اور ایک ایک لفظ کو کھینچ کر ادا کیا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ (اللہ، رحمٰن اور رحیم کے الفاظ کو کھینچ کر پڑھا)۔ (بخاری)

یعنی رسول اللہ ﷺ قرآن جلدی نہیں پڑھتے تھے بلکہ ایک ایک لفظ کو کھینچ کر ادا کرتے تھے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ ﷺ غیر طبعی طریقے سے کھینچ کر پڑھتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ لفظ کو آہستہ آہستہ پوری طرح ادا کرتے ہوئے ایسے انداز سے پڑھتے تھے جس سے سننے والا یہ اثر قبول کرے کہ قرآن پڑھنے کے دوران میں آدمی کا ذہن پوری طرح اس بات میں لگا ہوا ہے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں اور اس کا مفہوم کیا ہے۔

۳۶۔ نبی کا خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا اللہ کو بہت محبوب ہے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا اَذِنَ اللّٰہُ لِشَیْءٍ مَّا اَذِنَ لِنَبِیٍّ یَّتَغَنّٰی بِالْقُرْاٰنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالٰی کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی

توجہ سے وہ نبی کی آواز کو سنتا ہے جب کہ وہ قرآن خوش آوازی کے ساتھ پڑھ رہا ہو۔ (متفق علیہ)

۳۷۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَآ اَذِنَ لِنَبِیٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْاٰنِ یَجْهَرُ بِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے کہ ایک خوش آواز نبی کے قرآن پڑھنے کو سنتا ہے جبکہ وہ با آواز بلند پڑھ رہا ہو۔ (متفق علیہ)

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کے الفاظ اگرچہ کسی قدر مختلف ہیں لیکن ان دونوں کا مضمون اور مفہوم ایک ہی ہے مراد یہ ہے کہ نبی کا خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بڑھ کر کوئی چیز مرغوب اور محبوب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جس محبت اور توجہ سے نبی کے قرآن پڑھنے کو سنتا ہے اس محبت اور توجہ سے کسی اور چیز کو نہیں سنتا۔

۳۸۔ جو قرآن کو لے کر مستغنی نہ ہو جائے وہ ہم میں سے نہیں

عَنْ اَبُوْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ۔ (رَوَاهُ

(البُخَارِی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے' یا جو قرآن کو لے کر مستغنی نہ ہو جائے۔ (بخاریؒ)

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ خوش آوازی سے مراد کیا ہے:

قرآن خوش آوازی سے پڑھنا اور چیز ہے اور گا کر پڑھنا اور چیز۔ خوش آوازی سے پڑھنا یہ ہے کہ آدمی اسے اچھے طریقے سے اور اچھی آواز کے ساتھ پڑھے تاکہ سننے والا اس کی طرف متوجہ بھی اور اس سے متاثر بھی۔ پھر خوش آوازی میں صرف آواز کی خوبی ہی شامل نہیں بلکہ یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی ایسے طریقے سے پڑھے جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ ایک ایک آیت کا اثر قبول کرتے ہوئے پڑھ رہا ہے۔ قرآن پڑھنے کا انداز یہ ہونا چاہیئے کہ آدمی جس مضمون کی آیت پڑھ رہا ہو اس کی کیفیت بھی اس پر طاری ہو۔ مثلاً اگر کوئی عذاب کی آیت ہے تو اس میں اس کا لب و لہجہ ایسا ہو کہ جیسے اس پر خوف کی سی کیفیت طاری ہے۔ اگر وہ کوئی ثواب کی یا آخرت کی نعمتوں کی آیت پڑھ رہا ہو تو وہ اسے اس طرح سے پڑھے کہ جیسے اس پر ایک انبساط اور مسرت کی کیفیت طاری ہے۔ اسی طرح اگر کسی آیت میں استفہام ہے تو وہ اسے استفہام کے انداز میں ادا کرے۔ اس طرح قرآن مجید کو خود سمجھ کر اور اس سے متاثر ہوتے ہوئے ایسے انداز سے پڑھنا چاہیئے جس سے سننے والا خوش آوازی سے متاثر ہوتے ہوئے ایسے انداز سے پڑھنا چاہیئے جس سے سننے والا خوش آوازی سے متاثر ہونے کے علاوہ اس سے اس طرح اثر قبول کرے جس

طرح کسی اچھے مقرر کی تقریر کا اثر قبول کرتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو اور قرآن کو محض گانے کی سی سرتال کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ تَغَنِّی بِالْقُرْاٰن نہیں ہے۔ اسے جدید دور کی اصطلاح میں ثقافت کا نام تو دیا جائے گا مگر وہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن کی تلاوت نہیں کی۔

تَغَنِّی بِالْقُرْاٰن کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کو لے کر آدمی دنیا کی ہر چیز سے مستغنی ہو جائے۔ اس کے بعد اسے چاہیئے کہ وہ اس خدا پر بھروسہ کرے جس کا وہ کلام ہے۔ پھر کسی کے آگے نہ تو اس کا ہاتھ پھیلے نہ اس کی گردن جھکے پھر نہ وہ کسی سے ڈرے اور کسی سے کوئی طمع رکھے۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو اس نے قرآن کو بھیک کا ٹکڑا تو بنا لیا لیکن اسے لے کر وہ دنیا سے مستغنی نہیں ہوا۔

۳۹۔ رسول اللہ ﷺ، قرآن اور فریضہ شہادت حق

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ ھُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ اِقْرَاْ عَلَیَّ، قُلْتُ اَقْرَاُ عَلَیْکَ وَ عَلَیْکَ اُنْزِلَ؟ قَالَ اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَہٗ مِنْ غَیْرِیْ فَقَرَاْتُ سُوْرَۃَ النِّسَاءِ حَتّٰی اَتَیْتُ اِلٰی ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ: فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَ جِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ شَھِیْدًا، قَالَ حَسْبُکَ الْاٰنَ، فَالْتَفَتُّ اِلَیْہِ فَاِذَا عَیْنَاہُ تَذْرِفَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے، جب کہ وہ منبر پر تشریف فرما تھے، مجھ

سے مخاطب ہو کر فرمایا: مجھے پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا کیا میں
آپ ﷺ کو پڑھ کر سناؤں درآنحالیکہ آپ ﷺ ہی پر تو
قرآن اترا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں میں چاہتا ہوں کہ
قرآن کسی دوسرے شخص سے سنوں۔ پھر میں نے سورہ نساء کی
تلاوت کی۔ یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہنچا..... کیا بنے گی ان
لوگوں پر اس وقت جب کہ ہم ہر امت پر ایک گواہ لائیں گے اور
اے نبی ﷺ ہم آپ کو اس امت پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے.....
جب میں اس مقام پر پہنچا تو حضور ﷺ نے فرمایا: بس کافی ہے.....
اچانک میری نگاہ حضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر پڑی تو کیا دیکھتا
ہوں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ (متفق علیہ)

وہ تمام لوگ رسول اللہ ﷺ کی امت ہیں جو آپ ﷺ کی بعثت کے بعد سے اس دنیا میں پائے جاتے ہیں' اس فرق کے ساتھ کہ اگر وہ حضور ﷺ پر ایمان لائے ہیں تو وہ ایک معنی میں آپ ﷺ کی امت ہیں اور اگر انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا تو وہ دوسرے معنی میں آپ ﷺ کی امت ہیں۔ کسی نبی کی امت ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کے پیرو ہوں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جن کی طرف اس نبی کو بھیجا گیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ چونکہ تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں اس لیے آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک جتنے لوگ ہوں گے وہ سب آپ کی امت ہیں۔

نبی ﷺ حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے سورہ نساء کی آیت سن کر آب دیدہ کیوں ہو گئے؟

اس بات پر غور کیجئے۔

آخرت میں سب قومیں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کی جائیں گی اور ہر قوم پر اس کے نبی کو بطور گواہ کھڑا کیا جائے گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی حجت اس قوم پر اس وقت تک پوری نہیں ہو گی جب تک کہ نبی خدا کے حضور میں اس بات کی شہادت نہ دے کہ اس نے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا تھا۔ اگر معاذ اللہ نبی کی طرف سے کوئی ادنیٰ سی کوتاہی بھی رہ گئی ہو تو وہ اس بات کی شہادت نہیں دے سکتا کہ اس نے پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ اس طرح اس کی امت سے ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے اور استغاثہ کی شہادت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

نبی ﷺ کو اپنی ذمہ داری کا اس قدر شدید احساس تھا کہ جب آپ ﷺ نے یہ آیت سنی تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس خیال نے آپ ﷺ کو بے تاب کر دیا کہ مجھے کتنی بڑی ذمہ داری کے مقام پر کھڑا کیا گیا ہے۔ آج سے لے کر قیامت تک جتنے انسان بھی ہوں گے ان سب پر خدا کی حجت میرے ذریعہ سے تمام ہو گی۔ اگر مجھ سے اس حجت کو پورا کرنے میں ذرہ برابر بھی کمی رہ گئی تو مجھے اس کی جوابدہی کرنا پڑے گی۔

غور کیجئے..... کیا اس سے بڑا کوئی منصب اس دنیا میں ممکن ہے، اور کیا ایک انسان کی اس سے بڑی کوئی ذمہ داری ہو سکتی ہے کہ اس کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں پر خدا کی حجت پوری ہونے کی ذمہ داری تنہا اس کی ذات پر ہو۔ عملاً یہ منصب نبی کریم ﷺ کا تھا اور اسی کٹھن ذمہ داری کے احساس نے حضور ﷺ کی کمر دوہری ہوئی جاتی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دلانے کے لیے یہ الفاظ فرمائے:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (اَلَمْ نَشْرَحْ:۲،۳)

(اور ہم نے آپ ﷺ سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا جو آپ ﷺ کی کمر توڑے ڈال رہا تھا)

ایک طرف تو نبی کریم ﷺ کو اپنی اس عظیم اور کٹھن ذمہ داری کا شدید احساس تھا اور دوسری طرف آپ ہر وقت اس غم میں گھلے جاتے تھے کہ جن لوگوں کو میں ہدایت کی طرف بلا رہا ہوں وہ اس سے مسلسل روگردانی کر کے خود کو ایک خوفناک انجام کی طرف دھکیل رہے ہیں قرآن میں آپ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشُّعَرَاء:۳)

(شاید آپ ﷺ اس غم میں اپنی جان کھو دیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے)

یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے وہ آیت سنی تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس یہیں رک جاؤ۔ اب آگے کا تحمل نہیں ہے۔

۴۰۔ علم قرآن کی برکت سے حضرت ابی رضی اللہ عنہ بن کعب کا اعزاز

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ: اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ، قَالَ آللّٰهُ سَمَّانِیْ لَكَ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ وَقَدْ

ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ؟ قَالَ نَعَمْ، فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ،
وَفِيْ رِوَايَةٍ: إِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ: لَمْ يَكُنِ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، قَالَ وَسَمَّانِيْ؟ قَالَ نَعَمْ، فَبَكٰى۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید سناؤں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:۔ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ سے یہ بات فرمائی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا:۔ ہاں۔ انہوں نے دوبارہ عرض کیا:۔ کیا سچ مچ میرا ذکر اللہ رب العالمین کے حضور میں ہوا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔ ہاں۔ اس پر حضرت ابی بن کعبؓ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ آئے ہیں:۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا..... (سورہ البینہ) پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابیؓ بن کعب نے عرض کیا:۔ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر یہ بات فرمائی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا:۔ ہاں۔ اس پر حضرت ابیؓ بن کعب رو پڑے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وہ کیا خصوصیت تھی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی بڑی عزت و مرتبت سے سرفراز فرمایا۔

احادیث میں آتا ہے کہ حضرت ابیؓ بن کعب صحابہ کرامؓ میں سے قرآن کو

سب سے زیادہ جاننے والے لوگوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تربیت جن بے شمار طریقوں سے فرمائی ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ جس صحابیؓ کے اندر کوئی غیر معمولی صلاحیت ہوتی تھی اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ اختیار فرماتے تاکہ اس کی ہمت افزائی ہو اور اس کی وہ صلاحیت نشو ونما پائے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ آپ ﷺ حضرت ابی بن کعب کو قرآن پڑھ کر سنائیں اور حضرت ابی بن کعب اس پر خوشی سے پھولے نہ سمائے کہ اللہ اکبر میرا یہ مقام کہ اللہ کے ہاں میرا نام لے کر میرا ذکر کیا جائے۔

آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے دلوں میں کلام الٰہی کی محبت کس قدر تھی اور وہ اس بات کے کس قدر مشتاق اور آرزومند رہتے تھے کہ وہ اللہ رب العالمین کی نگاہ میں آئیں اور خدائے بزرگ و برتر ان کے ساتھ خصوصیت کا کوئی برتاؤ کرے۔

۴۱۔ قرآن کو دشمن کی سرزمین میں نہ لے جاؤ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّسَافَرَ بِالْقُرْاٰنِ اِلٰى اَرْضِ الْعَدُوِّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِىْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا تُسَافِرُوْا بِالْقُرْاٰنِ فَاِنِّىْ لَا اٰمَنُ اَنْ يَّنَالَهُ الْعَدُوُّ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی دشمن کی سرزمین میں قرآن لے کر جائے۔ مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ

آئے ہیں کہ قرآن لے کر (دشمن کی سرزمین میں) نہ جاؤ۔ مجھے
اندیشہ ہے کہ کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ (متفق علیہ)

مدعا یہ ہے کہ جس جگہ قرآن مجید کی توہین اور بے ادبی ہونے کا اندیشہ ہو وہاں
جان بوجھ کر قرآن کا لے جانا درست نہیں۔

۴۲۔ اصحاب رضی اللہ عنہم صفہ کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَلَسْتُ فِیْ عِصَابَةٍ
مِّنْ ضُعَفَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ وَاِنَّ بَعْضَهُمْ لَیَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ
مِّنَ الْعُرْیِ وَ قَارِیٌٔ یَّقْرَءُ عَلَیْنَا اِذْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَیْنَا' فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَكَتَ الْقَارِیْ فَسَلَّمَ' ثُمَّ
قَالَ مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ؟ قُلْنَا كُنَّا نَسْتَمِعُ اِلٰی كِتَابِ
اللّٰهِ' فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ
اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَهُمْ' قَالَ فَجَلَسَ وَسْطَنَا
لِیَعْدِلَ بِنَفْسِهٖ فِیْنَا' ثُمَّ قَالَ بِیَدِهٖ هٰكَذَا فَتَحَلَّقُوْا
وَبَرَزَتْ وُجُوْهُهُمْ لَهٗ' فَقَالَ اَبْشِرُوْا یَا مَعْشَرَ
صَعَالِیْكِ الْمُهَاجِرِیْنَ بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ
تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِیَاءِ النَّاسِ بِنِصْفِ یَوْمٍ وَّ
ذٰلِكَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک روز غریب اور رختہ حال مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ حالت یہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے اوٹ لے رہا تھا کیونکہ ان کے پاس تن ڈھانکنے کو پورے کپڑے نہیں تھے اور (انہی مہاجرین میں سے) ایک قاری ہمیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہمارے مجمع کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ جب حضور ﷺ آکر کھڑے ہوئے تو جو صاحب قرآن پڑھ رہے تھے وہ خاموش ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ہم لوگوں کو سلام کہا اور پھر فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی کتاب سن رہے تھے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ فراہم کر دیئے ہیں جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کی معیت پر مطمئن رہوں" پھر حضرت ابو سعیدؓ خدری بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ آکر اس طرح ہمارے درمیان بیٹھ گئے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہا۔ (یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ہمیں میں سے ہیں' کوئی الگ شخصیت نہیں) پھر حضور ﷺ نے اس طرح اشارہ کیا' مدعا یہ تھا کہ حلقہ بنا کر بیٹھو۔ لوگ اس طریقے سے حلقہ بنا کر بیٹھ گئے کہ سب کے چہرے حضور ﷺ کے سامنے ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:۔ اے مفلوک الحال مہاجرین' خوشخبری ہو تمہیں اس مکمل نور کی جو قیامت کے روز تمہیں حاصل ہو گا۔ تم دولت مندوں سے آدھے دن پہلے جنت میں

داخل ہو گئے اور آخرت کا آدھا دن دنیا کے پانچ سو سال کے برابر ہے۔ (ابو داؤد)

ضُعَفَاءُ الْمُهَاجِرِيْن سے بوڑھے یا جسمانی طور پر ضعیف مراد نہیں ہیں بلکہ غریب اور خستہ حال مراد ہیں یعنی وہ مہاجرین جو بے سرو سامانی کے عالم میں صرف تن کے کپڑوں کے ساتھ اپنے گھربار چھوڑ کر آگئے تھے۔ ان کے پاس نہ پہننے کو کپڑا تھا' نہ کھانے کو روٹی اور نہ سر چھپانے کو جگہ۔ لیکن دین کے ساتھ وابستگی اور قرآن سے شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ فارغ بیٹھے بیکار باتیں کرنے کے بجائے اللہ کا کلام سنتے اور سناتے۔

اس مقام پر اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ قرآن مجید میں نبی ﷺ سے یہ بات کیوں کہی گئی کہ ان لوگوں (ضعیف مہاجرین) کی معیت پر صبر کرلو' اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کا شکر کیوں ادا کیا۔

قرآن مجید میں یہ بات اس مقام پر فرمائی گئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ مکے کے ان بڑے بڑے سرداروں اور دولت مندوں کے قبول حق سے انکار کی کوئی پروانہ کرو اور اس بات کی فکر میں نہ لگو کہ ان میں سے کوئی تمہاری جماعت میں آئے گا تو اس کے اثر و دبدبہ اور ذاتی وجاہت سے یہ دین فروغ پائے گا۔ بلکہ اس کے برعکس جو لوگ مفلس اور کنگال ہیں لیکن ایمان لا کر تمہارے پاس آئے ہیں ان کی معیت اور رفاقت پر مطمئن ہو جاؤ۔(1)

1۔ سورہ کہف میں ارشاد ربانی ہے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ

ایک آدمی جب دین کی تبلیغ کا آغاز کرتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ بڑے بڑے بااثر لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہیں تاکہ ان کے قبول دین سے دعوت دین کے کام کو فروغ نصیب ہو۔ اس صورت میں جب کم حیثیت اور مفلوک الحال لوگ آکر اس دعوت میں دلچسپی لیتے' اسے قبول کرتے اور اس کام کے لیے خود کو پیش کرتے ہیں تو بعض اوقات وہ یہ سوچتا ہے کہ ایسے کم مرتبہ لوگوں کے ساتھ دین کو کیا فروغ نصیب ہو گا۔ لیکن دین کے لیے کام کرنے والوں کے سوچنے کا یہ انداز درست نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ غریب اور کم حیثیت مومنین کو کم اہم نہ سمجھیں' بلکہ ان کی معیت پر مطمئن ہو جائیں اور ان کے مقابلے میں بڑے بڑے شیوخ اور رئیسوں کی فکر نہ کریں۔

☆ کفار مکہ کے سردار بھی نبی ﷺ کو اس بات کا طعنہ دیتے تھے کہ قوم کے وہ دانا اور صاحب حیثیت لوگ' جن کی طرف قوم اپنے معاملات میں رجوع کرتی ہے' ان میں سے کوئی بھی آپ ﷺ پر ایمان نہیں لایا۔ بس یہ پنچ قسم کے لوگ آپ پر ایمان لائے ہیں اور ان کو لے کر آپ ﷺ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں خدا کا دین پھیلائیں گے..... ان کے ان طعنوں کے جواب میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جو شخص ایمان لایا ہے وہی دراصل قیمتی ہے اس کے برعکس جو شخص ایمان کو رد کر رہا ہے وہ

شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (پ ۱۸' سورہ الکہف' آیت ۲۸'۲۹)

ترجمہ: اور اے نبیؐ اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہو اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے...... صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے' اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

نہ تو کوئی دانا آدمی ہے اور نہ اس کا رئیس ہونا اور شیخ ہونا ہی اہمیت رکھتا ہے آج اگر کوئی شخص شیخ ہے تو کل اس کی مشیخت ختم ہو جاتی ہے اور اگر آج کوئی رئیس ہے تو کل اس کی ریاست ختم ہو جاتی ہے اور یہی کم حیثیت' نادار اور خستہ حال لوگ ان کا تختہ الٹ دیں گے اس لیے فرمایا گیا کہ مطمئن ہو جاؤ ان لوگوں کی معیت پر جو تمہارے ساتھ آ گئے ہیں اور ان سے نگاہیں نہ پھیرو۔

☆ نبی ﷺ نے جب ان خستہ حال مہاجرین کو دیکھا کہ وہ بڑی محبت سے قرآن سن رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے' اس نے میرے ساتھ وہ لوگ کر دیئے ہیں جن کی معیت پر مجھے مطمئن رہنے کا حکم دیا گیا ہے دوسرے الفاظ میں حضور ﷺ نے اس پر شکر ادا کیا کہ ایسے لوگوں نے دین قبول کر لیا ہے جن کے اندر اتنی بلند حوصلگی اور کردار کی پختگی موجود تھی کہ دین کی خاطر اپنا گھربار' بال بچے اور مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر نکل آئے۔

پھر نبی ﷺ نے ان مہاجرین کو یہ خوشخبری سنائی کہ قیامت کے روز تمہیں مکمل نور حاصل ہو گا اور تم جنت میں دولت مندوں سے آدھے دن پہلے داخل ہو گے۔ اس طرح حضور ﷺ نے انہیں اس بات کی تسلی دی کہ خدا کے دین کی خاطر تم نے جس طرح تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کی ہیں' خطرات انگیز کیے ہیں اور غربت و تنگدستی کی زندگی کو اپنے گھروں سے عیش و آرام پر ترجیح دی ہے ان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے روز مکمل نور عطا کرے گا اور تم دولت مندوں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے۔ اس آدھے دن کے متعلق یہ وضاحت فرمائی کہ قیامت کا آدھا دن اس دنیا کے پانچ سو سال کے برابر ہو گا۔

اس چیز کے متعلق تعین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں کے آدھے دن سے'

اور اس کے پانچ سو سال کے برابر ہونے سے کیا مراد ہے۔ حضور ﷺ نے یہ بات ذہن نشین کرانے کے لیے کہ آخرت میں زمانے کا معیار اس دنیا سے مختلف ہو گا' مختلف مواقع پر مختلف مقداریں بیان فرمائی ہیں۔ اس لیے اس معاملے میں بلاوجہ کھوج کرید کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات آخرت میں ہی کھلے گی کہ وہاں زمان و مکان کا مفہوم کیا ہے اور اس کے پیمانے کیا ہیں۔

۴۳۔ قرآن خوش آوازی سے پڑھو

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت براء رضی اللہ بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن مجید کو اپنی (اچھی) آوازوں سے مزین کرو۔ (احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ' دارمی)

مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کو حتی الامکان اچھے لہجے سے اور خوش آوازی سے پڑھنا چاہیئے۔ ایسے بے ڈھنگے طریقے سے نہیں پڑھنا چاہیئے کہ دل اس کی طرف کھنچنے کے بجائے اس سے اور زیادہ دور ہو جائیں جیسا کہ ایک فارسی شاعر نے کہا ہے۔

گر تو قرآن بریں نمط خوانی
ببری رونقِ مسلمانی

(سعدیؒ)

۴۴۔ قرآن کو پڑھ کر بھلا دینا بہت بڑی محرومی ہے

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنِ امْرِءٍ يَّقْرَاُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَجْذَمَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید کو پڑھتا ہے اور پھر اسے بھلا دیتا ہے وہ قیامت کے روز اس حالت میں اٹھے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو گا۔ (ابو داؤد، دارمی)

محدثین نے وضاحت کی ہے کہ اس حدیث میں ہاتھ کے کٹے ہوئے ہونے سے مراد جسمانی طور پر کٹا ہوا ہونا نہیں ہے بلکہ یہ بات محاورتاً کہی گئی ہے اور اس سے مراد کمال بے بسی ہے۔ مثلاً جب آپ اردو زبان میں کہتے ہیں کہ "فلاں آدمی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے" تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ سچ مچ ہاتھوں کے طوطے ہوتے ہیں جو اڑ جاتے ہیں، بلکہ جب آدمی کمال درجہ بدحواس ہوتا ہے تو اس کی اس حالت کو بیان کرنے کے لیے بطور محاورہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے...... اسی طرح عربی زبان میں کسی شخص کی بے بسی کی کیفیت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے..... اس سے پہلے ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے تھے کہ اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ: "یعنی قرآن یا تو تیرے حق میں حجت ہے یا تیرے خلاف حجت ہے۔" اب اگر ایک شخص ایمان رکھتا تھا اور اسی وجہ سے اس نے قرآن پڑھا لیکن پڑھنے کے بعد اسے بھلا دیا تو سوال یہ ہے کہ اس کے پاس وہ حجت کون سی ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرے گا۔ قرآن کو بھلا دینے کے بعد

تو اس کی حجت منقطع ہو گئی۔ اب اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے وہ اپنی صفائی میں پیش کر سکے۔ یہ وہ بے بسی کی کیفیت ہے جس میں قیامت کے روز وہ مبتلا ہو گا اور اسی کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو گا۔

۴۵۔ تین دن سے کم میں قرآن ختم نہ کرو

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص (رضی اللہ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اس شخص نے قرآن کو نہیں سمجھا، جس نے اسے تین شب و روز سے کم میں پڑھا۔
(ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی)

مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی اس رفتار سے پڑھے کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن پڑھ ڈالے تو اس رواروی کے عالم میں قرآن کو کیا سمجھ سکے گا۔ اس لیے حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ قرآن کم از کم تین شب و روز میں ختم کرو۔ اس سے زیادہ دنوں میں ختم کرو تو بہتر ہے لیکن اس سے کم میں نہ کرو، کیونکہ اگر ایک آدمی روزانہ دس پارے کے اوسط سے بھی تیز پڑھے تو اس صورت میں وہ کچھ نہیں سمجھ سکے گا۔

۴۶۔ علانیہ اور چھپا کر قرآن پڑھنے کی مثال

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَ الْمُسِرُّ بِالْقُرْاٰنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُو دَاوٗدَ وَنَسَائِی)

حضرت عقبہ بن عامرؓ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص با آواز بلند قرآن مجید پڑھتا ہے وہ اس شخص کے مانند ہے جو علانیہ صدقہ دیتا ہے اور جو شخص آہستہ آواز میں قرآن مجید پڑھتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو چھپا کر صدقہ دیتا ہے۔ (ترمذی' ابوداود' نسائی)

مراد یہ ہے کہ مذکورہ دونوں طریقوں سے قرآن مجید پڑھنے کا ثواب بھی ہے اور فائدے بھی ہیں۔ اگر ایک آدمی علانیہ صدقہ دے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی صدقے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں صدقہ و خیرات کریں اس کے برعکس اگر ایک شخص چھپا کر صدقہ دے تو اس کے اندر اخلاص کی کیفیت راسخ ہوتی ہے اور وہ ریاکاری سے محفوظ رہتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ قرآن مجید کے چھپا کر آہستہ آواز سے پڑھنے اور بلند آواز سے پڑھنے کا ہے۔ بلند آواز سے پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ خلق خدا تک قرآن کی تعلیم پہنچتی ہے اور لوگوں میں اس کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے ۔اس کے برعکس آہستہ آہستہ سے چھپا کر پڑھنے کا یہ فائدہ ہے کہ اس طرح آدمی قرآن پورے اخلاص کے ساتھ 'بغیر کسی ریا کے' اللہ کو خوش کرنے کے جذبے سے پڑھتا ہے اور اس میں کسی دوسرے جذبے کی آمیزش نہیں ہونے پاتی۔

۴۷۔ قرآن پر ایمان کس کا معتبر ہے

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَآ اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ)

حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں لایا جس نے اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرلیا۔ (ترمذی)

قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لانا اور قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنا، دونوں چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتیں۔ ایک شخص کے قرآن کو ماننے اور اسے پڑھنے کا کیا فائدہ اگر وہ قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے لیے حلال کرلے اور اس کی پوری زندگی سے اس بات کی کوئی شہادت نہ ملے کہ اس نے واقعی قرآن کو اللہ کی کتاب ہدایت مانا ہے۔ قرآن ایک ایسی کتاب ہدایت ہے جو انسان سے بعض چیزوں کے اختیار کرنے کا مطالبہ کرتی ہے اور بعض کو اس سے چھڑوانا چاہتی ہے۔ اس پر ایمان لانے کے بعد بھی اگر ایک آدمی کی زندگی میں کوئی صالح تغیر پیدا نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی صحیح رخ متعین ہوتا ہے تو اس کا ایمان لانا، نہ لانا دونوں برابر ہیں۔

۴۸۔ نبی ﷺ کا طرز قرأت

عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ اَنَّهٗ سَئَلَ اُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَنَسَائِي)

حضرت لیث" بن سعد، ابن ابی ملیکہ سے اور وہ یعلی بن مملک" سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ام سلمہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کس طرح پڑھا کرتے تھے۔ اس پر حضرت ام سلمہؓ نے خود اس طرح سے قرآن پڑھ کر سنایا کہ جس سے ایک ایک حرف الگ الگ سننے میں آئے۔ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

مراد یہ ہے حضور ﷺ قرآن بہت تیز نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ اس طرح آرام سے پڑھتے تھے کہ سننے والا ایک ایک حرف صاف سن سکے۔
اگلی حدیث میں اس کی مزید تشریح آتی ہے۔

۴۹۔

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ثُمَّ يَقِفُ، ثُمَّ يَقُوْلُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ يَقِفُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ ..... وَحَدِيْثُ اللَّيْثِ اَصَحُّ)

حضرت ابن جریجؒ حضرت ابن ابی ملیکہ" سے روایت کرتے ہیں

کہ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے قرآن پڑھنے کا طریقہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ ٹکڑے ٹکڑے کر کے پڑھا کرتے تھے (یعنی ایک ایک فقرے کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے) آپ ﷺ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پڑھتے تھے پھر ٹھہرتے تھے، پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتے تھے اور پھر توقف فرماتے تھے۔ (ترمذی)

یہاں یہ بات مزید وضاحت کے ساتھ بتائی گئی ہے کہ حضور ﷺ قرآن مجید جلدی جلدی نہیں پڑھتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ ایک ہی سانس میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے وَلَا الضَّآلِّیْنَ تک پڑھ ڈالیں، بلکہ آپ ایک ایک فقرے پر ٹھہرتے تھے۔

۵۰۔ کچھ لوگ قرآن کو وسیلہ دنیا بنالیں گے

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَفِیْنَا الْعَرَبِیُّ وَالْاَعْجَمِیُّ، فَقَالَ اقْرَأُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ وَسَیَجِیْءُ اَقْوَامٌ یُقِیْمُوْنَهٗ كَمَا یُقَامُ الْقِدْحُ، یَتَعَجَّلُوْنَهٗ وَلَا یَتَاَجَّلُوْنَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالْبَیْهَقِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے خانہ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم لوگ اس وقت (بیٹھے ہوئے) قرآن پڑھ رہے تھے، اور ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی عجمی۔ حضور ﷺ نے ہمیں قرآن پڑھتے

سنا تو فرمایا: "پڑھتے جاؤ' سب اچھی طرح پڑھ رہے ہیں۔ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو اگرچہ قرآن کو خوب صحت کے ساتھ اس انداز سے پڑھیں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے لیکن اس سے ان کی غرض دنیوی فائدے ہوں گے' آخرت ان کا مقصود نہیں ہو گی۔ (ابوداؤد۔ بیہقی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کے اس بیان سے کہ ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی عجمی' اور حضور ﷺ نے ہم سب سے فرمایا کہ پڑھتے جاؤ' سب ٹھیک پڑھ رہے ہو' ان کا مقصود دراصل یہ بتانا تھا کہ اس جماعت میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ تھے اس لیے ان کے قرآن پڑھنے کا انداز بھی جدا جدا تھا لیکن حضور ﷺ نے ان سب کی تحسین فرمائی۔ ظاہر بات ہے کہ ان میں سے ہر آدمی قرآن کو بالکل صحیح طریقے سے' صحیح مخارج اور صحیح طرز ادا کے ساتھ پڑھنے والا نہیں ہو سکتا تھا۔ بعض کی زبان یا لہجے میں کوئی فطری خامی بھی ہو سکتی تھی اس لیے ان کے قرآن پڑھنے کے لہجے اور انداز میں اختلاف کا پایا جانا فطری تھا لیکن حضور ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ پڑھتے جاؤ تم سب اچھی طرح پڑھ رہے ہو۔ مراد یہ تھی کہ چونکہ تم خلوص نیت کے ساتھ قرآن کو سمجھ کر پڑھ رہے ہو اور اس کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کا عزم رکھتے ہو اس لیے تم صحیح معنوں میں قرآن کو پڑھنے کا حق ادا کر رہے ہو' قطع نظر اس کے کہ تم تجوید کا فن جانتے ہو یا نہیں اور اسے قرأت کے اصولوں کے مطابق پڑھ رہے ہو یا نہیں۔ ایک وقت آئے گا جب قرآن کو پڑھا تو جائے گا بڑی ریاضت و مشق اور صحت مخارج کے اہتمام کے ساتھ' بالکل اس طرح جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے لیکن اس سے لوگوں کا مقصود دنیا ہو گی' آخرت نہیں ہو گی۔ اس لیے وہ پڑھنا آخرت میں کسی کام نہیں آئے گا۔ البتہ تمہارا یہ پڑھنا بڑا قابل قدر ہے اور

اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہے۔

۵۱۔ قرآن کو گویوں اور بین کرنے والیوں کی طرح نہ پڑھو

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِقْرَاُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا، وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنِ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ، وَسَيَجِيْئُ بَعْدِىْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَآءِ وَالنَّوْحِ، لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَاْنُهُمْ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِىْ كِتَابِهٖ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' قرآن کو عربی لہجے اور عربی آوازوں میں پڑھو اور دیکھو خبردار! اہل عشق اور اہل کتابین (یہود و نصاریٰ) کے سے لہجے اختیار نہ کرو' اور عنقریب میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو گا گا کر یا نوحے کے انداز میں پڑھیں گے۔ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ دل ان کے بھی فتنے میں پڑے ہوں گے اور ان لوگوں کے بھی' جو ان کے طرز ادا کو پسند کرنے والے ہوں گے۔ (بیہقی' رزین)

قرآن عربی لہجے اور عربی آوازوں میں پڑھنے کی تاکید فرمانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر عرب بھی قرآن کو عربی لہجے میں اور عربوں کی سی آوازوں میں پڑھیں۔

بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن کو ایسے سادہ اور فطری طریق سے پڑھا جائے جس طرح ایک عرب پڑھتا ہے۔ ایک عرب جب قرآن مجید کو پڑھے گا تو وہ اسے اس طرح پڑھے گا جیسے ہم اپنی زبان میں کسی کتاب کو پڑھتے ہیں۔ جب آپ اردو زبان کی کوئی کتاب پڑھ رہے ہوں تو ظاہر بات ہے کہ آپ بنا بنا کر اور گا گا کر نہیں پڑھتے۔ بلکہ اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح کوئی آدمی اپنی مادری زبان کی کسی کتاب کو پڑھتا ہے۔ اس سے پہلے حضور ﷺ کا یہ ارشاد گزرا ہے کہ قرآن کو اپنی اچھی آوازوں سے مزین کرو معلوم ہوا کہ اچھی آواز کے ساتھ پڑھنا اور اہل عرب کے سے سیدھے سادھے طریقے سے پڑھنا دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ کیونکہ سادہ طریقے سے پڑھنے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ آدمی بے ڈھنگے پن سے اور ناگوار آواز سے پڑھے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ خبردار قرآن کو اہل عشق کے سے لہجے میں مت پڑھو۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح عشق باز لوگ غزلیں گاتے ہیں اس طرح قرآن کو گا کر نہ پڑھو۔

اس کے بعد فرمایا کہ عنقریب وہ لوگ آئیں گے جو قرآن کو گا گا کر اور عورتوں کے بین کرنے کے انداز میں پڑھیں گے۔ بظاہر وہ اسے بڑے ذوق و شوق اور محنت و ریاضت کے ساتھ پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور ان کے دلوں تک اس کی رسائی نہیں ہوگی پھر یہی نہیں بلکہ دل ان پڑھنے والوں کے بھی فتنے میں ہوں گے اور ان کے بھی جو ان کے اس پڑھنے کو سن کر جھومیں گے اور داد و تحسین کے ڈونگرے برسائیں گے۔

حضور ﷺ نے اس طرح کے پڑھنے والوں اور اس پر سر دھننے والوں کو یہ تنبیہہ اس لیے فرمائی کہ یہ قرآن کوئی شاعری نہیں ہے جسے لوگ محض لطف

اندوزی کے لیے پڑھیں اور روا واہ وا اور مرحبا کا شور بلند کریں، جیسے کہ اب ہمارے ہاں قراءتوں کی محفلوں میں ہونے لگا ہے۔ بعض اوقات توان محفلوں میں مشاعرے کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یہ طریقہ فتنے سے خالی نہیں۔

۵۲۔ خوش آوازی قرآن کے حسن میں اضافہ کرتی ہے

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: قرآن کو اپنی (اچھی) آوازوں کے ذریعے حسین بناؤ کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن میں اضافہ کرتی ہے۔ (دارمی)

اب تک مسلسل ایسی حدیثیں آئی ہیں جن میں سے اگر ایک میں قرآن کو گا کر پڑھنے سے روکا گیا ہے تو دوسری میں اسے اچھی آواز سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ گا کر پڑھنے میں اور خوش آوازی سے پڑھنے میں فرق ہے اور اسی فرق کی بناء پر ایک چیز ناپسندیدہ ہے اور دوسری پسندیدہ۔

۵۳۔ حسن قرأت کا مفہوم کیا ہے

عَنْ طَاوٗسٍ مُرْسِلاً قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّم اَیُّ النَّاسِ اَحْسَنُ صَوْتًا لِلْقُرْاٰنِ وَاَحْسَنُ قِرَائَةً، قَالَ مَنْ اِذَا سَمِعْتَهُ یَقْرَاُ اُرِیْتَ اَنَّهُ یَخْشَی اللّٰهَ، قَالَ طَاوُسٌ وَکَانَ طَلْقٌ کَذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت طاؤس ؒ سے مرسلا روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا:۔ کوئی شخص قرآن کو اچھی آواز سے اور اچھے طریقے سے پڑھنے والا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص کہ جب تم اسے پڑھتے ہوئے سنو تو تمہیں ایسا معلوم ہو کہ وہ اللہ سے ڈر رہا ہے.... حضرت طاؤس ؒ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ خود ایسے ہی خوش آواز اور روانی سے پڑھنے والے تھے۔ (دارمیؒ)

اس روایت میں نبی ﷺ نے خوش آوازی سے قرآن پڑھنے کے مفہوم کو نہایت عمدگی سے واضح فرمادیا ہے..... جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھو لیکن غنانہ کرو تو لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ پھر خوش آوازی سے کیا مراد ہے؟ اس پر حضور ﷺ نے یہ تشریح فرمائی کہ قرآن کو اس انداز سے پڑھو جس سے سننے والا یہ محسوس کرے کہ تم خدا سے ڈر رہے ہو۔ جب ایک آدمی حضور قلب کے بغیر اور خدا سے غافل ہو کر قرآن پڑھتا ہے تو اس کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے اور جب وہ اسے اچھی طرح سمجھ کر اور خدا سے ڈرتے ہوئے پڑھتا ہے تو اس کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے وہ ایک ایک چیز کا اثر قبول کرتا ہے اور اس کے طرز ادا سے اور لب ولہجہ سے اس کی ان باطنی کیفیتوں کا اظہار ہوتا ہے۔

۵۴۔ قرآن کو اُخروی فلاح کا ذریعہ بناؤ

عَنْ عَبِيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ اٰنَآءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْا وَتَدَبَّرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعَجَّلُوْا ثَوَابَهٗ فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ جو ایک صحابی ہیں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اہل قرآن (مراد ہے قرآن پڑھنے والو) قرآن کو تکیہ مت بنالو بلکہ اس کی تلاوت کرو جس طرح کہ اس کی تلاوت کرنے کا حق ہے' رات اور دن کے اوقات میں' اور اسے علانیہ پڑھو' خوش آوازی کے ساتھ پڑھو' اور جو کچھ مضامین اس میں ہیں ان پر غور کرو' امید ہے تمہیں فلاح نصیب ہو گی' اور اس کا ثواب جلدی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو' کیونکہ (آخرت میں) اس کا ثواب لازماً ہے۔ (بیہقی)

فرمایا کہ قرآن کو تکیہ نہ بنالو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کو تکیے کی جگہ رکھ کر نہ سویا کرو۔ بلکہ اس کا یہ مفہوم بعد کے فقرے سے سامنے آتا ہے کہ قرآن سے غفلت نہ برتو۔ صبح و شام اس کی تلاوت کرو۔ اس کا ذکر عام کرو اور اس کے مضامین میں غور و فکر کرو۔ یہ حال نہ ہو کہ قرآن آپ کے پاس موجود ہو لیکن آپ غفلت میں پڑے رہیں اور کبھی نظر اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھیں اور اس سے

رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔

پھر فرمایا کہ قرآن کا ثواب جلدی سے (یعنی اس دنیا میں) حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اگرچہ اس کا ثواب یقیناً ہے مراد یہ ہے کہ چاہے اس دنیا میں اس کا ثواب تمہیں نہ ملے لیکن اس کا ثواب بہرحال ہے جو آخرت میں لازماً ملتا ہے۔ دنیا میں بھی اگرچہ اس کا ثواب کبھی نہ کبھی ملتا ہے لیکن تم اسے دینوی ثواب کی خاطر نہ پڑھو بلکہ اُخروی ثواب کی خاطر پڑھو دنیا میں تو قرآن کی وجہ سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں دشمنان دین کی سختیوں کا نشانہ بننا پڑے لیکن آخرت میں یہ تمہارے لیے بہترین توشہ ثابت ہوگا اور وہاں کا اجر ضائع نہیں ہو سکتا۔

۵۵۔ ابتدا میں قرآن مقامی لہجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت تھی

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنِ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَؤُهَا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَاَنِيْهَا فَكِدْتُّ اَنْ اَعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَمْهَلْتُهٗ حَتّٰى انْصَرَفَ ثُمَّ لَبَّبْتُهٗ بِرِدَائِهٖ فَجِئْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَاُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَاْتَنِيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسِلْهُ اِقْرَاْ فَقَرَاَ الْقِرَاءَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُهٗ يَقْرَاُ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰكَذَا اُنْزِلَتْ۔ ثُمَّ قَالَ لِيْ اِقْرَاْ

فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ، إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں نے حضرت ہشامؓ بن حکیم بن حزام کو سورہ فرقان اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سنا جس سے میں پڑھتا تھا' حالانکہ سورہ فرقان مجھے خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی تھی قریب تھا کہ میں بے تابی سے ان پر جھپٹ پڑتا لیکن پھر میں نے (صبر کیا اور) انہیں مہلت دی' یہاں تک کہ انہوں نے اپنی قرأت مکمل کرلی۔ پھر میں نے ان کی چادر پکڑی اور انہیں کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ' میں نے ان کو سورہ فرقان اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سنا ہے جس پر کہ آپ ﷺ نے پڑھائی تھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو۔ پھر حضرت ہشامؓ سے فرمایا کہ تم پڑھو۔ چنانچہ انہوں نے سورہ فرقان اسی طرح پڑھی جس طرح کہ میں نے ان کو پڑھتے سنا تھا۔ ان کی قرائت سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح اتری ہے۔ پھر حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم پڑھو۔ چنانچہ میں نے (اپنے طریقے پر) پڑھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح اتری ہے۔ پھر مزید فرمایا کہ یہ قرآن سات حرفوں پر اترا ہے' اس لیے جس طرح سہولت ہو اسی طرح پڑھو۔ (متفق علیہ)

سات حرفوں سے مراد سات تلفظ یا سات لہجے ہیں۔ عربی زبان میں اختلاف لہجات ایک معروف چیز ہے۔ عرب کے مختلف قبائل اور مختلف علاقوں کی زبان میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس اختلاف کی نوعیت ایسی نہیں ہے کہ اس سے زبان کے اندر کوئی بنیادی تغیر رونما ہو جاتا ہو۔ مقامی تلفظات' لہجات' محاورات اور زبان کے بعض دوسرے اسالیب کے اختلاف کے باوجود زبان کا بنیادی سانچہ ایک ہی ہے۔ زبان کے مقامی رنگ اور اختلافات کا مشاہدہ آپ یہاں بھی کرتے ہیں۔ مثلاً آپ پنجاب کے مختلف حصوں میں جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہر ضلع کی' اور بعض اوقات ایک ہی ضلع کے مختلف حصوں کی' زبان مختلف ہے۔ یہی حال اردو کا بھی ہے۔ پشاور سے لے کر مدراس تک چلے جایئے' اردو بولنے والوں میں ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے مختلف لہجے' مختلف تلفظ اور مختلف محاورے ملتے ہیں۔ "دہلی والوں اور لکھنؤ والوں کی زبان" تو آپ کہتے ہی ہیں اسی طرح حیدر آباد (دکن) اور پنجاب والوں کی اردو ہے۔ ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے مختلف علاقوں کے لوگ مختلف اسالیب اختیار کرتے ہیں۔ یہی چیز نزول قرآن کے وقت عرب میں بھی تھی اور آج بھی پائی جاتی ہے۔ عرب میں آپ یمن سے لے کر شام تک چلے جائیں' آپ کو لہجے اور تلفظ بدلتے ہوئے ملیں گے۔ ایک ہی مضمون کو عرب کے ایک حصے میں کسی اور طرح ادا کرتے ہیں اور دوسرے حصے میں کسی اور طرح' لیکن اس اختلاف کے باوجود معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس حدیث میں سات حرفوں سے مراد یہی لہجات اور اسالیب وغیرہ کا اختلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید اگرچہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے لیکن اہل عرب کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ اسے اپنے مقامی لہجات اور تلفظات کے ساتھ بھی پڑھ سکیں۔ کیونکہ ایک عرب جب قرآن مجید کو پڑھے گا تو زبان کے مقامی

اختلافات کے باوجود اس میں کوئی ایسا ردوبدل نہیں ہو گا جس سے معنی اور مفہوم تبدیل ہو جائیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حرام حلال ہو جائے یا حلال حرام ہو جائے۔ یا توحید کا مضمون ہو اور وہ مشرکانہ زبان میں ادا کر دیا جائے۔

یہ اجازت صرف اس زمانے تک تھی جب قرآن ابھی عرب سے باہر نہیں نکلا تھا اور اس کو پڑھنے والے صرف عرب ہی تھے لیکن بعد میں یہ اجازت اور سہولت ختم کر دی گئی۔

اس بات کو بھی سمجھ لیجئے کہ مختلف لہجات کے ساتھ قرآن پڑھنے کی اجازت کیوں دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن کی اشاعت اس زمانے میں تحریری شکل میں نہیں ہو رہی تھی' عرب کے لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور معلوم ہے کہ نزول قرآن کے وقت صرف گنتی کے پڑھے لکھے لوگ ملتے تھے۔ عربوں میں لکھنے پڑھنے کا جو کچھ رواج ہوا وہ اسلام کے بعد ہی ہوا۔ چنانچہ اس زمانے میں لوگ قرآن زبانی سنتے اور یاد کرتے تھے۔ پھر چونکہ ان کی مادری زبان عربی تھی اس لیے انہیں قرآن کو یاد کرنے اور یاد رکھنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آتی تھی۔ ایک عرب جب قرآن سنتا تھا تو اسے اس کا پورا مضمون یاد ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد جب وہ جا کر دوسرے لوگوں سے بیان کرتا تھا تو زبان کے مقامی اختلافات کے سبب سے اس کے بیان میں بعض جگہ لفظی ردوبدل ہو جاتا تھا لیکن اس سے نفس مضمون میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا تھا' کیونکہ اس قوم کے محاورے کے مطابق وہ بات اس طرح ہوتی تھی جس طرح وہ ادا کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں یہ گنجائش رکھی گئی کہ اہل عرب اپنے مقامی لہجات و تلفظات کے مطابق قرآن پڑھ سکیں۔

پیش نظر حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ نے چونکہ یہ سمجھا کہ جس طرح انہوں نے

رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنا تھا اسی طرح ہر آدمی کو پڑھنا چاہیئے۔ اس لیے جب انہوں نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کو اس سے مختلف طریقے سے قرآن پڑھتے سنا تو ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ جتنی دیر تک وہ پڑھتے رہے یہ اپنی جگہ مضطرب رہے۔ ادھر وہ فارغ ہوئے اور ادھر انہوں نے ان کی چادر کھینچی اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے۔

اب یہ دیکھیے کہ رسول اللہ ﷺ کے مزاج میں کس قدر تحمل اور بردباری تھی۔ آپ ﷺ نے بڑے سکون کے ساتھ ان کی بات سنی اور پھر ان کو نہایت حکمت سے سمجھا دیا کہ میاں تم دونوں جس طریقے سے پڑھتے ہو وہ صحیح ہیں، اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

۵۶۔ دین میں اختلاف کے حدود و آداب

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ خِلَافَهَا فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ فَلَا تَخْتَلِفُوْا فَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اِخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور اس سے پہلے میں نے نبی ﷺ کو اس سے مختلف طریقے سے پڑھتے سنا تھا میں اسے

نبی ﷺ کی خدمت میں لے آیا اور حضور ﷺ کو اس بات کی خبر دی (کہ یہ شخص ایک مختلف طریقے سے قرآن پڑھتا ہے) میں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات ناگوار گزری ہے۔ (میری بات سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا: تم دونوں ہی ٹھیک طرح پڑھتے ہو' آپس میں اختلاف مت کرو کیونکہ تم سے پہلے جو قومیں ہلاک ہوئیں وہ اختلاف ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے جناب ابن مسعودؓ کو یہ بات سمجھائی کہ اگر اختلاف اس نوعیت کا ہو کہ اس سے اصل تعلیم یا اصل حکم نہ بدلتا ہو تو اس طرح کے اختلاف کو برداشت کرنا چاہیئے۔ اگر برداشت نہ کرو گے تو آپس میں سر پھٹول کرو گے۔ اس طرح امت میں افتراق اور فتنے کا دروازہ کھلے گا۔ البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں اصل دین یا دین کا کوئی حکم تبدیل ہو رہا ہو وہاں اختلاف نہ کرنا گناہ ہو جاتا ہے' کیونکہ ایسے موقع پر اختلاف نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دین میں تحریف کو قبول کرلیا جائے یہ ایک دوسرا فتنہ ہے جس کا سدباب کرنا خود دین ہی کے لیے ضروری ہے۔

۵۷۔ راسخ الایمان صحابی رضی اللہ عنہ..... شفیق نبی ﷺ..... کریم خدا

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کُنْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ یُّصَلِّیْ فَقَرَاَ قِرَاءَۃً اَنْکَرْتُھَا عَلَیْہِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَاَ قِرَاءَۃً سِوٰی قِرَاءَۃِ صَاحِبِہٖ فَلَمَّا قَضَیْنَا الصَّلٰوۃَ دَخَلْنَا جَمِیْعًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ ھٰذَا قَرَاَ قِرَاءَۃً اَنْکَرْتُھَا عَلَیْہِ وَ دَخَلَ اٰخَرُ

فَقَرَاَ سِوٰی قِرَاءَ ۃِ صَاحِبِہٖ۔ فَاَمَرَھُمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَرَءَا فَحَسَّنَ شَانَھُمَا فَسَقَطَ فِیْ نَفْسِیْ مِنَ التَّکْذِیْبِ وَلَا اِذْ کُنْتُ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ' فَلَمَّا رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِیَنِیْ ضَرَبَ فِیْ صَدْرِیْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلَی اللّٰہِ فَرَقًا' فَقَالَ لِیْ یَا اُبَیُّ اُرْسِلَ اِلَیَّ اَنِ اقْرَاءِ الْقُرْاٰنَ عَلٰی حَرْفٍ فَرَدَدْتُّ اِلَیْہِ اَنْ ھَوِّنْ عَلٰی اُمَّتِیْ فَرَدَّ اِلَیَّ الثَّانِیَۃَ اقْرَءْہُ عَلٰی حَرْفَیْنِ فَرَدَدْتُّ اِلَیْہِ اَنْ ھَوِّنْ عَلٰی اُمَّتِیْ فَرَدَّ اِلَیَّ الثَّالِثَۃَ اقْرَءْہُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ وَلَکَ بِکُلِّ رَدَّۃٍ رَدَدْتُّکَھَا مَسْاَلَۃٌ تَسْاَلُنِیْھَا فَقُلْتُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ وَاَخَّرْتُ الثَّالِثَۃَ لِیَوْمٍ یَّرْغَبُ اِلَیَّ الْخَلْقُ کُلُّھُمْ حَتّٰی اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں (ایک روز) مسجد نبوی ﷺ میں تھا' اتنے میں ایک شخص آیا اور نماز پڑھنے لگا۔ اس نے نماز میں قرأت اس طرح کی کہ مجھے عجیب معلوم ہوئی۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے ایسی قرأت کی جو پہلے شخص سے بھی مختلف تھی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم تینوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے حضور

ﷺ سے عرض کیا کہ اس شخص نے قرآن مجید اس طرح پڑھا ہے جو مجھے درست معلوم نہیں ہوا' اور اس دوسرے شخص نے اس سے بھی مختلف طریقے سے پڑھا ہے (یہ کیا معاملہ ہے؟)..... نبی ﷺ نے ان دونوں کو (اپنے اپنے طریقے سے قرآن) پڑھ کر سنانے کا حکم دیا..... ان دونوں کی قرأت سن کر حضور ﷺ نے انہیں درست قرار دیا..... اس پر میرے دل میں تکذیب کا ایسا وسوسہ آیا کہ جاہلیت کے زمانے میں بھی کبھی نہیں آیا تھا.... جب رسول اللہ ﷺ نے میری یہ کیفیت دیکھی تو آپ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ مارتے ہی میں پانی پانی ہو گیا اور میرے پسینے چھوٹ گئے اور مجھے ڈر کے مارے یوں محسوس ہوا کہ گویا میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں..... پھر حضور ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے ابی! جب قرآن مجید میری طرف بھیجا گیا تو مجھے حکم دیا گیا کہ میں اسے ایک حرف پر (یعنی ایک لہجے کے مطابق) پڑھوں (اور وہ لہجہ قریش کا لہجہ تھا) میں نے جواب میں یہ عرض کہلا بھیجی کہ میری امت کے ساتھ نرمی برتی جائے۔ پھر پلٹ کر مجھے جواب دیا گیا کہ دو احرف (یعنی دو لہجوں) پر پڑھ سکتے ہو..... میں نے پھر جواب میں عرض کیا کہ میری امت کے ساتھ اور نرمی برتی جائے..... تیسری مرتبہ جواب میں یہ فرمایا گیا کہ اچھا اب قرآن کو سات لہجوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہو.... مزید یہ ارشاد ہوا کہ جتنی مرتبہ تم نے گزارش کی ہے اور تمہیں اس کا جواب دیا گیا ہے اس پر تمہیں اتنی ہی دعائیں مانگنے کی اجازت دی جاتی ہے (اور وہ دعائیں

قبول ہوں گی).... اس پر میں نے عرض کیا: اے خدا میری امت کو معاف کر دے..... اے خدا میری امت کو معاف کر دے..... اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لیے اٹھا رکھی جب کہ ساری مخلوق میری طرف رجوع کرے گی (کہ میں خدا کے حضور ان کی شفاعت کروں) یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی رجوع فرمائیں گے۔ (مسلمؒ)

حضرت ابیؓ بن کعب رسول اللہ ﷺ کے نہایت جلیل القدر صحابیؓ تھے۔ ان کا شمار اکابر اور افاضل لوگوں میں ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ میں سے ہر ایک کے متعلق یہ جانتے تھے کہ کس میں کیا کمال ہے.... حضرت ابیؓ بن کعب کا کمال یہ تھا کہ وہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے سامنے یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ دو آدمی ایسے مختلف طریقوں سے قرآن پڑھتے ہیں جو ان کے علم کے مطابق درست نہیں تھے۔ آپ ان دونوں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جاتے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ دونوں کو درست قرار دیتے ہیں۔ اس پر ان کے دل میں ایک شدید نوعیت کا وسوسہ آتا ہے' اتنی شدید نوعیت کا وسوسہ کہ آپ خود فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی وہ کیفیت پیدا نہیں ہوئی تھی جو یکایک اس وقت میرے دل میں پیدا ہوئی۔ ان کے دل میں شک یہ گزرا کہ آیا یہ قرآن واقعی خدا کی طرف سے ہے یا یہ کوئی انسانی کلام ہے جس کے پڑھنے میں اس طرح کی کھلی آزادی دی جا رہی ہے۔

اندازہ کیجیے کہ حدیث کے الفاظ کے مطابق ایک اس طرح کے جلیل القدر صحابی کے دل میں بھی ایسا وسوسہ آسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ بھی دراصل انسان ہی تھے' فرشتے نہیں تھے اور نہ انسانی کمزوریوں سے کلیتہً منزہ تھے۔ کمال

ان کا یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے جو بہترین فوائد کوئی انسان اٹھا سکتا تھا وہ انہوں نے اٹھائے تھے اور حضور ﷺ کے فیض تربیت سے ایک ایسا گروہ تیار ہوا تھا کہ نوع انسانی میں کبھی اس درجے کے انسان نہیں پائے گئے۔ لیکن اس کے باوجود تھے تو وہ انسان ہی..... اس لیے جب ایک ایسی بات سامنے آئی جو بظاہر الجھن میں ڈالنے والی تھی تو یکایک ان کے ذہن میں وہ وسوسہ گزرا جس کا ذکر حدیث میں ہوا ہے۔

اب رسول اللہ ﷺ کا طریق تربیت دیکھیے۔ چہرے سے فوراً بھانپ گئے کہ ان کے دل میں کیا وسوسہ آیا ہے۔ فوراً انھیں متنبہ کرنے کے لیے ان کے سینے پر ہاتھ مارا کہ میاں ہوش میں آؤ..... کس سوچ میں پڑ گئے؟

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ محض وسوسے کے آجانے سے آدمی نہ کافر ہو جاتا ہے اور نہ لازماً گنہگار ہی ہوتا ہے۔ وسوسہ ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ ہی اس سے بچائے تو انسان اس سے بچ سکتا ہے' ورنہ نہیں..... احادیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ کبھی کبھی ہمارے دل میں ایسے وساوس آتے ہیں جن کے بعد ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تو عاقبت خراب ہو گئی۔ اس پر حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اصل چیز یہ نہیں ہے کہ تمہارے دل میں وسوسہ نہ آئے' اصل چیز یہ ہے کہ وہ آکر تمہارے دل میں جم نہ جائے۔ کوئی برا خیال آکر گزر جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر پکڑ نہیں ہے لیکن اگر برا خیال آئے اور تم اس کو دل میں جگہ دے کر اس کی پرورش کرنے لگو تو یہ چیز ایسی ہے جو آدمی کو ہلاک کرنے والی ہے۔

جب حضرت ابیؓ کے دل میں ایک [illegible] اور فتنہ انگیز قسم کا وسوسہ آیا تو حضور

ﷺ نے فوراً محسوس کرلیا کہ ان کے دل میں یہ وسوسہ آیا ہے۔ اس لیے ان کے سینے پر ہاتھ مارا..... آپ ﷺ کے ہاتھ مارتے ہی وہ ہوش میں آ گئے۔ انہیں احساس ہوا کہ یہ میرے دل میں کس قدر برا وسوسہ آیا ہے۔ خود انہی کا بیان ہے کہ یہ محسوس ہوتے ہی مجھ پر اس قدر لرزہ طاری ہوا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے خدا میرے سامنے موجود ہے اور خوف کے مارے میرے پسینے چھوٹ گئے..... حضرت ابیؓ بن کعب پر یہ فوری شدید ردعمل دراصل اس بات کی علامت تھا کہ وہ نہایت پختہ اور کامل ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ان کا ایمان اس درجہ مضبوط نہ ہوتا تو ان پر ایسی شدید کیفیت طاری نہ ہوتی۔

آدمی کا ایمان اگر مضبوط ہو اور اس کے دل میں کوئی برا وسوسہ گزرے تو وہ کانپ جاتا ہے اور اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایک آدمی کچے ایمان کا ہو تو برا وسوسہ اس کے دل میں آتا ہے اور وہ اس کے ایمان کو ذرا سا ہلا کے چلا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے اس سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ وسوسہ پھر آتا ہے اور اس کے ایمان کو کچھ اور ہلا کے چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں اس کے پورے ایمان کو متزلزل کر کے رکھ دیتا ہے۔ ..... لیکن مضبوط اور استوار ایمان والے شخص کا حال یہ نہیں ہوتا۔ وہ برا وسوسہ آنے کے بعد فوراً سنبھل جاتا ہے۔ حضرت ابیؓ بن کعب کا ردعمل اسی بات کی شہادت پیش کرتا ہے۔

حضرت ابیؓ بن کعب کے سنبھلنے پر پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو سمجھانے کے لیے یہ وضاحت فرمائی کہ آغاز میں جب قرآن مجید نازل ہوا تو وہ صرف اسی لہجے اور محاورے کے مطابق اترا جو قریش کا تھا اور جو رسول اللہ ﷺ کی اپنی مادری زبان تھی۔ لیکن حضور ﷺ نے خود اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ اسے

دوسرے لہجات کے مطابق بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ درخواست کے الفاظ یہ ہیں کہ: هَوِّنْ عَلٰى اُمَّتِي یعنی میری امت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے۔ حضور ﷺ کا احساس یہ تھا کہ آپ کی مادری زبان سارے عرب کی مروجہ زبان نہیں ہے بلکہ مختلف علاقوں اور قبیلوں کے کچھ مقامی لہجے اور تلفظات ہیں۔ اس لیے اگر ان سب لوگوں پر صرف اہل قریش ہی کے لہجات اور تلفظات کے مطابق قرآن پڑھنے کو لازم کر دیا گیا تو وہ سخت آزمائش میں پڑ جائیں گے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ میری امت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے چنانچہ پہلی درخواست کے جواب میں یہ اجازت دے دی گئی کہ اچھا دو لہجوں میں پڑھ لیا کرو۔

اب اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اپنے بندوں کے ساتھ عجیب ہے کہ پہلی مرتبہ کی درخواست ہی کے جواب میں قرآن مجید سات لہجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت نہیں دے دی' حالانکہ ارادہ سات کا تھا' بلکہ دوسری اور تیسری مرتبہ درخواست کرنے کا انتظار کیا۔ اس طرح گویا حضور ﷺ کی آزمائش بھی مقصود تھی کہ ان کے اندر نبی ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری کا کتنا احساس ہے اور اپنی امت کے ساتھ ان کی محبت و شفقت کا کیا عالم ہے۔ اس لیے پہلے ایک ہی لہجہ اتارا..... لیکن حضور ﷺ کو اس بات کا احساس تھا کہ اہل عرب کے لہجات میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے اگر قرآن ایک ہی لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تو لوگ سخت مشکل میں پڑ جائیں گے اور ان پر قدرتی ہدایت کی تکمیل نہ ہو سکے گی۔ اس لیے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کی کہ میری امت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے۔ اس کے جواب میں اجازت دو لہجات کے ساتھ پڑھنے کی دی گئی۔ حضور ﷺ نے پھر عرض کیا کہ مزید نرمی فرمائی جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے دو دفعہ

اور درخواست کرنے پر سات لہجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ چونکہ تم نے ہم سے تین مرتبہ درخواست کی ہے اور ہم نے اسے قبول کرلیا ہے اس لیے اب تمہیں حق دیا جاتا ہے کہ تم تین دعائیں ہم سے مانگ سکتے ہو..... رب کریم کی عنائتیں کرنے کے انداز دیکھیے..... اسی چیز کو قرآن مجید میں فرمایا کہ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ "میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے" تو یہ رحمت کا انداز ہے کہ چونکہ تم نے تین مرتبہ ہم سے اپنی امت کے حق میں نرم کرنے کی درخواست کی ہے اور ہمیں تمہاری یہ ادا پسند آئی ہے' اس لیے اب تمہیں تین دعائیں کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔ یہ دعائیں ہم قبول کریں گے۔

اب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی شان رحمت و شفقت بھی اپنی امت کے حق میں دیکھیے کہ دو مرتبہ دعا مانگ کر تیسری مرتبہ کی دعا آخرت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں اور دو مرتبہ کی دعا بھی کسی دنیوی مفاد اور کسی دولت اور اقتدار کے لیے نہیں مانگی بلکہ صرف اس غرض کے لیے مانگی کہ میری امت کے ساتھ درگزر اور چشم پوشی کا معاملہ کیا جائے۔

فرمایا: اِغْفِرْ لِاُمَّتِیْ: میری امت کی مغفرت فرما۔

مغفرت کے اصل معنی ہیں درگزر کرنا' چشم پوشی کرنا۔ **مِغْفَر** اس خود کو کہتے ہیں جو سر کو چھپاتا ہے۔ چنانچہ اِغْفِرْ لِاُمَّتِیْ کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کے ساتھ درگزر' نرمی اور چشم پوشی کا معاملہ کیا جائے..... ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی نے قصور کیا اور جھٹ اسے سزا دے دی گئی۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ قصور کرتے ہیں لیکن آپ سے درگزر کیا جاتا ہے اور سنبھلنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

آپ پھر قصور کرتے ہیں لیکن پھر سنبھلنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس طرح بار بار درگزر کا معاملہ کیا جاتا ہے تاکہ آدمی بالا آخر سنبھل جائے اور اپنی اصلاح کرلے.....

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان وہ قوم ہے جس کے پاس خدا کا آخری کلام قرآن مجید' اپنی اصلی شکل میں محفوظ موجود ہے۔ اس میں کسی طرح کا کوئی ردوبدل آج تک نہیں ہوا۔ اسی طرح مسلمان ہی وہ قوم ہے جس کے پاس اس کے نبی ﷺ کی سیرت' اس کے اقوال' اس کی ہدایات بالکل محفوظ چلی آرہی ہیں۔ اس کو خوب معلوم ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے' ہمارے خدا کا ہم سے کیا مطالبہ ہے اور ہمارے رسول ﷺ نے ہم کو کیا راستہ بتایا ہے..... ایک ایسی قوم اگر نافرمانی کرے اور صرف انفرادی طور پر ہی نہیں بلکہ بعض اوقات پوری کی پوری قوم نافرمانی کر بیٹھے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کو پیس نہ ڈالے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور عظیم درگزر اور مہربانی کے سوا کیا ہے.....! جرم کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی کو یہ معلوم نہ ہو کہ جرم کیا ہے اور پھر وہ جرم کر بیٹھے۔ اس صورت میں وہ ایک طرح کی نرمی کا مستحق ہوتا ہے۔ مگر ایک آدمی کو معلوم ہے کہ قانون کیا ہے اور کیا چیز اس قانون کی رو سے جرم ہے مگر اس کے باوجود قانون کو توڑتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص سخت سزا کا مستحق ہے...... یہی مثال اس وقت مسلم قوم کی ہے..... لیکن اس کے باوجود یہ دیکھئے کہ ان تیرہ چودہ سو سال میں اللہ تعالیٰ کا عذاب عام آج تک مسلمانوں پر نازل نہیں ہوا۔ اگر وہ کسی جگہ پٹے ہیں تو کسی جگہ بچے بھی رہے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے اپنی امت کے حق میں درگزر اور چشم پوشی کی جو دعا مانگی تھی وہ دعا فی الواقع قبول ہوئی....!

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ اِغْفِرْ لِاُمَّتِیْ کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ

کی مراد یہ نہیں تھی کہ میری امت جو کچھ بھی غلط افعال کرے وہ سب بخش دیے جائیں..... خود حضور ﷺ ہی فرماتے ہیں کہ ایک آدمی قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا کہ اس کے اوپر سے ایک بکری میا رہی ہوگی جو اس نے چرائی تھی اور وہ آکر مجھے پکارے گا' یا رسول اللہ! یا رسول اللہ!...... میں اس کو کیا جواب دوں گا؟ مطلب یہ ہے کہ اگر اس طرح کے کام کر کے آؤ گے جن کی سزا لازماً ملنی چاہیے تو تم میری شفاعت کے مستحق نہیں ہو سکتے..... وہاں شفاعت اس معنی میں نہیں ہوگی کہ چونکہ یہ میرے ہیں اس لیے خواہ دنیا میں ظلم و ستم ڈھا کے آئے ہوں' لوگوں کے حق مار کے آئے ہوں مگر ان کو معاف کر دیا جائے اور دوسروں نے اگر ظلم کیا ہو تو ان کو پکڑ لیا جائے..... قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے یہ معنی نہیں ہوں گے اور نہ ہو سکتے ہیں۔

۵۸۔ اختلاف لہجات سے قرآن کے مفہوم میں فرق واقع نہیں ہوتا تھا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقْرَاَنِىْ جِبْرِيْلُ عَلٰى حَرْفٍ فَرَجَعْتُهُ فَلَمْ اَزَلْ اَسْتَزِيْدُهُ وَيَزِيْدُنِىْ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ بَلَغَنِىْ اَنَّ تِلْكَ السَّبْعَةَ اَحْرُفِ اِنَّمَا هِىَ فِى الْاَمْرِ تَكُوْنُ وَاحِدًا لَا تَخْتَلِفُ فِىْ حَلَالٍ وَّلَا حَرَامٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے پہلے مجھے

قرآن مجید ایک حرف پر پڑھوایا۔ پھر میں نے بار بار ان سے اصرار کیا اور یہ مطالبہ کرتا گیا کہ قرآن مجید دوسرے حروف پر بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے وہ یہ اجازت دیتے گئے یہاں تک کہ سات حرفوں تک پہنچ گئے..... اس روایت کے راوی جناب ابن شہاب زہری" کہتے ہیں کہ وہ سات حروف جن پر قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی ایسے تھے کہ وہ تعداد میں سات ہونے کے باوجود گویا ایک ہی کے بمنزلہ تھے۔ ان پر قرآن پڑھنے سے (بات ایک ہی رہتی تھی اور) حلال و حرام کا فرق واقع نہیں ہو جاتا تھا۔ (متفق علیہ)

اس بات کی وضاحت گزر چکی ہے کہ اہل عرب کو سات حروف (لہجات) پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت اس بنا پر دی گئی کہ نزول قرآن کے وقت عرب میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج نہیں تھا اور صرف گنتی کے لوگ لکھنے پڑھنے کے قابل تھے' اس لیے لامحالہ قرآن کی تبلیغ و اشاعت کا کام زبانی تلقین و بیان ہی سے ہو سکتا تھا.... رسول اللہ ﷺ قرآن مجید تقریر کی شکل میں بیان فرماتے تھے اور لوگ اسے سن کر یاد کر لیتے تھے اور آگے پہنچاتے تھے۔ چونکہ عرب کے مختلف علاقوں میں مقامی بولیاں اور لہجات رائج تھے اس لیے لوگوں کو ایک سخت آزمائش اور مشکل سے بچانے کے لیے قرآن مجید مقامی لہجات و تلفظات کے ساتھ پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ مگر یہ اجازت مستقل نہیں تھی۔ بعد میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ یہ اجازت ختم کر دی گئی۔ آگے وہ احادیث آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت کس طرح ختم ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کی سالہا سال کی تبلیغ و اشاعت دین کے نتیجے میں جب سلامی حکومت کی بنیاد پڑی تو اس کے اولین فرائض میں سے ایک فریضہ لوگوں کو

تعلیم یافتہ بنانا تھا کیونکہ مسلمان اور جہالت دو چیزوں کا یکجا تصور نہیں ہو سکتا۔ اسلامی حکومت نے ابتدائی دور میں تو لوگوں کو دین زیادہ تر زبانی تلقین کے ذریعے سے سکھایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس امر کی مسلسل کوشش کی گئی کہ پوری قوم تعلیم یافتہ ہو جائے۔ چنانچہ خلافت راشدہ کے زمانے میں تعلیم کا اتنے بڑے پیمانے پر کام کیا گیا کہ ایک اندازے کے مطابق اس وقت سو فی صدی خواندگی پیدا ہو چکی تھی اور یہ سب اہتمام صرف اس لیے کیا گیا کہ لوگ قرآن پڑھنے کے قابل ہو جائیں۔

یعنی مسلمان کی نگاہ میں خواندگی کی اولین اہمیت یہ نہیں ہے کہ وہ دنیا کے معاملات کی نوشت و خواند کرنے کے قابل ہو جائے' یہ تو محض ایک ضمنی فائدہ ہے اصل فائدہ یہ کہ آدمی قرآن پڑھنے کے قابل ہو سکے۔ جب تک وہ قرآن پڑھنے کے قابل نہیں ہو گا اور براہ راست یہ نہیں جان سکے گا کہ اس کے خدا نے اس پر کیا ذمہ داریاں عائد کی ہیں' وہ کس امتحان میں ڈالا گیا ہے اور اس امتحان میں اس کی کامیابی کی کیا صورت ہے اور ناکامی کے اسباب کیا ہیں' اس وقت تک وہ ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے تعلیم اسلامی معاشرے میں ایک بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور اسلامی خلافت نے اس کام کو اپنے اولین بنیادی فریضے کی حیثیت ہی سے انجام دیا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور ہی میں یہ کام شروع کر دیا تھا۔ جنگ بدر کے موقع پر جب قریش کے لوگ گرفتار ہو کر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو پڑھے لکھے ہوں وہ ہمارے اتنے بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں تو ہم ان کو کوئی فدیہ لیے بغیر رہا کر دیں گے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں لوگوں کو خواندہ بنانے کی کیا اہمیت تھی۔

پھر جب لوگوں کو خواندہ بنا دیا گیا اور انہیں اس قابل کر دیا گیا کہ وہ پڑھ لکھ

سکیں تو اس کے بعد قرآن مجید دوسرے لہجات پر پڑھنے کی اجازت ختم کردی گئی' اور صرف قریش کے لہجے کو برقرار رکھا گیا کیونکہ قرآن مجید قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا تھا جو رسول اللہ ﷺ کی مادری زبان تھی۔ حضور ﷺ کا قاعدہ یہ تھا کہ قرآن مجید جس وقت نازل ہوتا تھا آپ پہلی فرصت میں اسے کسی ایسے صحابی کو بلا کر لکھوا دیتے تھے جو لکھے پڑھے ہوتے تھے۔ آگے بعض احادیث میں اس کی کیفیت آتی ہے کہ قرآن مجید کس طرح جمع کیا گیا...... یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن مجید آغاز میں قریش کی زبان اور محاورے کے علاوہ دوسرے جن لہجات میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی وہ بعد میں ختم کردی گئی' نیز قرآن مجید آغاز ہی سے تحریری شکل میں لغت قریش کے مطابق لکھا گیا تھا۔

۵۹۔ مختلف لہجات میں قرآن پڑھنے کی اجازت ایک بہت بڑی سہولت تھی

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ لَقِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِبْرِیْلَ فَقَالَ یَا جِبْرِیْلُ اِنِّیْ بُعِثْتُ اِلٰی اُمَّۃٍ اُمِّیِّیْنَ مِنْھُمُ الْعَجُوْزُ وَ الشَّیْخُ الْکَبِیْرُ وَالْغُلَامُ وَالْجَارِیَۃُ وَ الرَّجُلُ الَّذِیْ لَمْ یَقْرَأْ کِتَابًا قَطُّ' قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لِاَحْمَدَ وَ اَبِیْ دَاوٗدَ: قَالَ لَیْسَ مِنْھَا اِلَّا شَافٍ کَافٍ' وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلنَّسَائِیْ' قَالَ اِنَّ جِبْرِیْلَ وَ مِیْکَائِیْلَ اَتَیَانِیْ فَقَعَدَ جِبْرِیْلُ عَنْ یَّمِیْنِیْ وَ

بِمِيكَائِيلُ عَنْ يَّسَارِيْ فَقَالَ جِبْرِيْلُ اقْرَاِ الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَرْفٍ' قَالَ مِيكَائِيلُ اسْتَزِدْهُ حَتّٰى بَلَغَ سَبْعَةَ اَحْرُفٍ فَكُلُّ حَرْفٍ شَافٍ كَافٍ۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ بن کعب بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ سے ملے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اے جبریل ﷺ! میں ایک ایسی امت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جو ان پڑھ (لوگوں پر مشتمل) ہے اور پھر ان میں سے کوئی بوڑھا ہے' کوئی بہت زیادہ سن رسیدہ ہے' کوئی لڑکا ہے' کوئی لڑکی ہے' کوئی ایسا آدمی ہے جس نے کبھی کوئی تحریر (یا کتاب) نہیں پڑھی .... رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے جواب دیا کہ اے محمد ﷺ' قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے..... یہ روایت ترمذی نے بیان کی ہے۔ امام احمد اور ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے مزید یہ فرمایا کہ قرآن ان حروف میں سے جس حرف پر بھی نازل ہوا ہے وہ شافی کافی ہے..... نسائی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریلؑ اور میکائیلؑ میرے پاس آئے۔ جبریلؑ میری دائیں طرف بیٹھے اور میکائیلؑ بائیں طرف' پھر حضرت جبریلؑ نے مجھ سے کہا کہ قرآن مجید ایک حرف پر (یعنی قریش کی زبان کے مطابق) پڑھو..... حضرت میکائیلؑ نے مجھ سے کہا کہ ایک اور حرف پر پڑھنے کی اجازت مانگیے..... (میں یہ اجازت مانگتا گیا) یہاں تک کہ سات حرفوں پر پڑھنے کی اجازت دے دی گئی اور ان میں

ہے ہر حرف شافی کافی ہے۔ (ترمذی' احمد' ابوداؤد' نسائی)

ہر حرف کے شافی کافی ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی گمراہی کا خطرہ نہیں ہے جس طرح لغت قریش کے مطابق قرآن کا پڑھنا شافی کافی ہے اسی طرح دوسرے قبیلوں کی لغت میں اسے پڑھنا شافی کافی ہے۔ ان میں سے کسی کے مطابق پڑھنے سے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں کہ قرآن کا اصل منشاء اور مفہوم بدل جائے۔

۶۰۔ قرآن سنانے کا معاوضہ لینا غلط ہے

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّهُ مَرَّ عَلٰى قَاصٍّ يَقْرَاُ ثُمَّ يَسْئَلُ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَلْيَسْئَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَاِنَّهٗ سَيَجِيْءُ اَقْوَامٌ يَقْرَاُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَسْئَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن حصین کا بیان ہے کہ ان کا گزر ایک ایسے واعظ پر ہوا جو قرآن پڑھتا تھا اور لوگوں سے بھیک مانگتا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا..... پھر وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اسے چاہیئے کہ وہ جو کچھ مانگے صرف اللہ سے مانگے..... ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ قرآن پڑھیں گے اور اس کا معاوضہ لوگوں سے مانگیں گے۔ (احمد۔ ترمذی)

حدیث کا مضمون واضح ہے..... تاہم اس مقام پر ایک بات ملحوظ رہے کہ اگرچہ

قرآن پڑھ کر اس کا معاوضہ مانگنا یا اسی طرح نماز پڑھانے کا معاوضہ لینا شرعاً نہایت مکروہ چیز ہے اور قدیم زمانے میں فقہاء اس کی کراہت پر متفق تھے، لیکن بعد میں کچھ ایسے حالات پیش آئے جن سے فقہاء کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر ایسا کوئی معاوضہ لینے کو قطعی ممنوع رکھا گیا تو اس بات کا امکان ہے کہ مسجدوں میں پانچ وقت کی نماز باجماعت کا اہتمام اور مسجدوں کی آبادی کا نظام برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے انہوں نے ایک بڑی مصلحت کی خاطر اس بات کی اجازت دے دی کہ جو لوگ دن میں باقاعدہ نماز اپنے وقت پر پڑھانے کی ذمہ داری قبول کریں ان کو معاوضہ دیا جا سکتا ہے...... تاہم اصولاً اب بھی یہ بات اپنی جگہ قائم ہے کہ اگر کوئی آدمی ایسے ذرائع پاتا ہو جن سے وہ اپنی روزی کما سکے اور اس کے ساتھ مسجد میں باقاعدہ نماز پڑھانے کی ذمہ داری قبول کر لے تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں..... میرے نزدیک وہ امام نہایت قابل قدر ہے جو مسجد کے دروازے کے باہر بیٹھ کر جوتی گانٹھے اور پانچ وقت کی نماز پڑھانے کی ذمہ داری قبول کرے اور کسی سے کوئی معاوضہ وصول نہ کرے۔ تاہم اگر یہ کسی طرح ممکن نہ ہو اور ایسا کوئی امام نہ مل سکے تو پھر بدرجہ آخر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایسے امام مقرر کیے جائیں جن کو معاوضہ دیا جائے۔ اور وہ مسجدوں کی آبادی کا نظام برقرار رکھیں۔

۶۱۔ قرآن کو روٹی کمانے کا ذریعہ بنانے والا بے آبرو ہو گا

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ يَتَاَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهِقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قرآن اس غرض سے پڑھے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں سے روٹی مانگے تو قیامت کے روز وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ بس ہڈی ہڈی ہو گا' اس پر گوشت پوست کچھ نہیں ہو گا۔ (بیہقی)

کسی آدمی کے چہرے پر گوشت پوست نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بے عزت ہو گا۔ آپ اپنی زبان میں بھی یہ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی بے آبرو ہو گیا۔ وہ لفظ "آبرو" دراصل آپ رو ہے یعنی چہرے کی رونق۔ سو کسی آدمی کے بے عزت ہو جانے کو آپ یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ بے آبرو ہو گیا' یعنی اس کے چہرے کی رونق جاتی رہی۔ اسی مفہوم میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ اس شخص کے چہرے پر گوشت پوست نہیں ہو گا جو قرآن کو محض روٹی کمانے کا وسیلہ بناتا ہے...... یعنی اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز بے عزت کر دے گا۔

۶۲۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فصل سورت ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّوْرَةِ حَتّٰى يَنْزِلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابتدا میں یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک سورت کہاں ختم ہوتی ہے اور دوسری کہاں سے شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ آپ پر بسم

اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی۔ (ابوداؤد)

مراد یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو سورتوں کے آغاز و انجام کو معلوم کرنے میں وقت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نازل کر کے یہ بتادیا کہ جہاں سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ شروع ہو اس سے یہ سمجھا جائے کہ یہاں ایک سورت ختم ہو گئی ہے اور دوسری شروع ہو رہی ہے۔ اس طرح یہ آیت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ دراصل "فصل سورت" ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آغاز و انجام میں فرق کرنے کے لیے نازل فرمائی۔ یہ قرآن مجید میں سورہ نمل کی ایک آیت کے طور پر بھی آئی ہے۔۔ ملکہ سبا اپنے درباریوں سے کہتی ہے کہ میرے نام حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک خط آیا ہے جو اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع ہوتا ہے۔ (اِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) اس طرح وہاں یہ اس سورت کی ایک آیت کے طور پر نازل ہوئی ہے لیکن دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس کو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

اب ہر سورت کا آغاز اسی سے ہوتا ہے البتہ اس میں صرف ایک استثناء ہے اور وہ یہ ہے کہ سورۂ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا لکھوایا ہوا جو مسودہ ملا تھا اس پر اس سورۃ کے آغاز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہیں ملی تھی۔ اس لیے صحابہ کرامؓ نے اس کو اسی طرح نقل کر دیا۔ انہوں نے اپنی طرف سے یہ نہیں کیا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا خود اضافہ کر دیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں قرآن مجید کو ایک مصحف کی شکل میں مرتب کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے کس قدر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے ہے اور وہ قیاس کر کے اسے آسانی سے سورہ توبہ کے آغاز میں لکھ سکتے تھے، نیز

وہ یہ بھی خیال کر سکتے تھے کہ ممکن ہے حضور ﷺ کو اس کے لکھوانے کا خیال نہ رہا ہو' یا جس صحابی سے آپ لکھواتے تھے وہ لکھنا بھول گئے ہوں گے لیکن انہوں نے اس طرح کا کوئی قیاس نہیں کیا بلکہ جس طرح خود حضور ﷺ کا لکھوایا ہوا مسودہ ملا اس کو اسی طرح سے نقل کر دیا اور اپنی طرف اسے اس میں ایک شوشہ بھی نہیں بڑھایا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت کا ایسا بے نظیر انتظام کیا۔ دنیا میں اس وقت تک کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں کلام خداوندی بالکل اپنی اصلی صورت میں بغیر کسی آمیزش اور ردوبدل کے اس طرح محفوظ ہو۔ یہ شرف صرف قرآن مجید ہی کو حاصل ہے۔

۶۳۔ صحابہ کرامؓ نے قرآن کس ذمہ داری سے حفظ کیا تھا۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَاَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُوْرَةَ يُوْسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَا هٰكَذَا اُنْزِلَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَقَرَاْتُهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنْتَ' فَبَيْنَا هُوَ يُكَلِّمُهُ اِذْ وَجَدَ مِنْهُ رِيْحَ الْخَمْرِ فَقَالَ اَتَشْرَبُ الْخَمْرَ وَيُكَذِّبُ بِالْكِتَابِ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جناب علقمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حمص (شام) میں تھے' وہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ یوسف پڑھی تو ایک شخص نے (جو وہاں موجود تھا) کہا کہ یہ اس طرح

نازل ہوئی' حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے یہ سورت خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھی ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم نے ٹھیک پڑھی ہے۔۔ اس دوران میں جب کہ وہ اس شخص سے بات کر رہے تھے انہیں اس کے منہ سے شراب کی بو آئی..... اس پر آپؓ نے اس سے فرمایا کہ شراب پیتے ہو اور پھر قرآن سن کر اس کی تکذیب کرتے ہو؟...... اور اس کے بعد اس پر (شراب پینے کے جرم میں) حد جاری کی۔ (متفق علیہ)

یہ حدیث یہاں یہ بتانے کے لیے رکھی گئی ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے ہر اس شخص نے جس نے لوگوں تک قرآن پہنچانے کی ذمہ داری ادا کی ہے اس نے قرآن مجید یا تو براہ راست رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سن کر یاد کیا ہے یا پھر دوسروں سے سن کر یاد کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو سنایا ہے اور حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے کہ ہاں تم نے ٹھیک یاد کیا ہے..... اس طرح قرآن مجید کے ہم تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس میں ذرہ برابر بھی اشتباہ کی گنجائش ہو سکتی ہو۔

۶۴۔ قرآن مجید کیسے یکجا جمع کیا گیا

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ اَرْسَلَ اِلَيَّ اَبُوْبَكْرٍ مَقْتَلَ اَهْلِ الْيَمَامَةِ فَاِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهٗ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّ عُمَرَ اَتَانِيْ فَقَالَ اِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ وَاِنِّيْ اَخْشٰى اِنِ اسْتَحَرَّ الْقَتْلُ

بِالْقُرَّآءِ بِالْمَوَاطِنِ فَیَذْهَبُ کَثِیْرٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَ اِنِّیْ
اَرٰی اَنْ تَاْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ ' قُلْتُ لِعُمَرَ کَیْفَ تَفْعَلُ
شَیْئًا لَّمْ یَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ عُمَرُ هٰذَا وَ اللّٰهِ خَیْرٌ فَلَمْ یَزَلْ عُمَرُ یُرَاجِعُنِیْ
حَتّٰی شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِیْ لِذٰلِكَ وَ رَاَیْتُ فِیْ ذٰلِكَ
الَّذِیْ رَاٰی عُمَرُ ' قَالَ زَیْدٌ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اِنَّكَ رَجُلٌ
شَابٌّ عَاقِلٌ لَانَتَّهِمُكَ وَقَدْ کُنْتَ تَکْتُبُ الْوَحْیَ
لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَّبِعِ الْقُرْاٰنَ
فَاجْمَعْهُ ' فَوَاللّٰهِ لَوْ کَلَّفُوْنِیْ نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا
کَانَ اَثْقَلَ عَلَیَّ مِمَّا اَمَرَنِیْ بِهٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْاٰنِ ' فَقَالَ
قُلْتُ کَیْفَ تَفْعَلُوْنَ شَیْئًا لَّمْ یَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ' قَالَ هُوَ وَاللّٰهِ خَیْرٌ ' فَلَمْ یَزَلْ اَبُوْبَکْرٍ
یُرَاجِعُنِیْ حَتّٰی شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِیْ لِلَّذِیْ شَرَحَ لَهٗ
صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْاٰنَ اَجْمَعُهٗ مِنَ
الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَ صُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰی وَجَدْتُ
اٰخِرَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ مَعَ اَبِیْ خُزَیْمَةَ الْاَنْصَارِیِّ لَمْ
اَجِدْهَا مَعَ اَحَدٍ غَیْرِهٖ : لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ
اَنْفُسِکُمْ حَتّٰی خَاتِمَةِ بَرَآءَةَ فَکَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ
اَبِیْ بَکْرٍ حَتّٰی تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَیَاتَهٗ ثُمَّ عِنْدَ

حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت زید رضی اللہ عنہ ثابت انصاری بیان فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں جنگ یمامہ میں کثرت سے صحابہ کرامؓ شہید ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے مجھے طلب فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب بھی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ عمرؓ میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے قاری (جنہیں قرآن یاد تھا اور وہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے تھے) بہت کثرت سے شہید ہوئے ہیں اور مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر قرآن کے پڑھنے پڑھانے والے ایسی ہی دوسری جنگوں میں شہید ہوتے گئے تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے (یعنی کتابی صورت میں یکجا کرنے) کا حکم دے دیں.... حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرؓ سے کہا، تم وہ کام کیسے کرو گے جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ عمرؓ نے مجھے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہ کام اچھا ہے۔ پھر وہ برابر مجھ سے اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا اور میری رائے بھی وہی ہو گئی جو عمرؓ کی تھی..... حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا: تم ایک جوان آدمی ہو، صاحبِ عقل ہو، تمہارے متعلق ہمیں کوئی شبہ بھی نہیں (یعنی تم ہر طرح قابل اعتماد ہو) اور تم پہلے رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی کی کتابت بھی کرتے رہے ہو۔ اس لیے اب تم قرآن مجید کے اجزا کو تلاش کر کے نکالو اور

اسے یکجا جمع کر دو۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر وہ مجھے پہاڑ اٹھانے کا حکم دیتے تو وہ میرے لیے اتنا سخت بھاری کام نہ ہوتا جتنا بھاری یہ کام تھا جس کا انہوں نے حکم دیا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ وہ کام کیسے کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟.....
حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں خدا کہ قسم یہ کام اچھا ہے پھر حضرت ابوبکرؓ برابر مجھ سے اس پر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اسی طرح کھول دیا جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا..... پھر میں نے قرآن کو کھجور کی چھالوں' سفید پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کر کے جمع کرنا شروع کیا..... یہاں تک کہ سورہ توبہ کی یہ آخری آیات مجھے حضرت ابو خزیمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ملیں' کسی اور کے پاس نہیں ملیں' لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ........ آخر سورت تک...... اس طرح قرآن کے جو صحیفے یکجا کیے گئے یا لکھے گئے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کی زندگی تک رہے' اس کے بعد یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کی زندگی تک رہے' پھر یہ اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بنت عمرؓ) کے پاس محفوظ رکھ دیئے گئے۔ (بخاری)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شبہ لاحق ہوا کہ اگر قرآن کو یکجا جمع کرنا اور دین کی حفاظت کے لیے ایسا کرنا لازم ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنی حیات مبارکہ ہی میں قرآن مجید کو مرتب کرا کے کتابی شکل میں یکجا فرما دیتے۔ لیکن جب آپ

ﷺ نے یہ کام نہیں کیا تو اب ہم اسے کرنے کی کیسے جرائت کریں۔۔۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال یہ تھا کہ اگر یہ بجائے خود ایک اچھا کام ہے اور شریعت اور اسلام کے بنیادی تقاضوں کے مطابق ہے اور اس کے خلاف کوئی ممانعت بھی موجود نہیں ہے تو یہ چیز اس بات کے لیے کافی دلیل ہے کہ یہ کام مباح ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میرے نزدیک یہ کام اچھا ہے۔

حضرت زیدؓ کا یہ قول کہ خدا کی قسم، اگر وہ مجھے پہاڑ اٹھانے کا حکم دیتے تو وہ میرے لیے اتنا سخت بھاری کام نہ ہوتا جتنا بھاری کام جمع قرآن کا تھا' ان کے اس شدید احساس کی ترجمانی کرتا ہے کہ قرآن کو جمع کرنا ایک بڑی کٹھن ذمہ داری تھی۔ قرآن مجید کو مختلف جگہوں سے اکٹھا کرنا اور اس کے بعد اس کو اسی ترتیب سے لکھنا جو رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی تھی حقیقتاً ایک بڑی کڑی ذمہ داری تھی اور حضرت زیدؓ کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ اگر مجھ سے کوئی ذرہ برابر بھی غلطی ہو گئی تو آئندہ نسلوں تک قرآن کے غلط شکل میں پہنچنے کی ساری ذمہ داری مجھ پر پڑے گی..... اس احساس نے آپ سے یہ الفاظ کہلوائے کہ یہ بوجھ مجھ پر پہاڑ اٹھانے سے زیادہ سخت ڈالا گیا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن تین ذرائع سے جمع کیا گیا:۔

ایک ذریعہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو قرآن مجید لکھوایا تھا وہ کھجور کی چھالوں یا سفید پتھر کی پتلی پتلی تختیوں پر لکھوایا تھا۔ حضور ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی لکھے پڑھے آدمی کو' جن کے لیے کاتبین وحی کا لفظ استعمال ہوتا ہے' بلاتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اس سورت یا ان آیات کو فلاں فلاں مقام پر لکھ دو لکھوا کر پھر آپ ﷺ سن

لیتے تھے تاکہ اس کی صحت کا اطمینان ہو جائے۔ اس کے بعد ایک تھیلے میں یہ چیزیں ڈال دی جاتی تھیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری زمانے میں (جیسا کہ آگے بعض احادیث آتی ہیں) یہ بھی بتادیا کہ فلاں آیت فلاں سورت کی ہے اور فلاں آیت فلاں آیت کے بعد اور فلاں سے پہلے رکھی جائے۔ اس طرح سورتوں کی ترتیب خود حضور ﷺ ہی نے قائم کرادی تھی جس سے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سورتوں میں آیات کس ترتیب سے ہیں' لیکن اس ترتیب سے آپ ﷺ نے قرآن مجید کو ایک کتابی شکل میں نہیں لکھوادیا تھا جس شکل میں وہ آج پایا جاتا ہے۔

حضرت زید ؓ کہتے ہیں کہ اس تھیلے میں پتھر کی جو تختیاں اور کھجور کی چھالیں پڑی ہوئی تھیں وہ میں نے نکالیں اور اس کے ساتھ دوسرا کام یہ کیا کہ جن لوگوں کو قرآن حفظ تھا ان کو بلا کر اور ان سے مل کر لکھے ہوئے اور زبانی یاد کیے ہوئے قرآن کے درمیان مطابقت کرائی...... ان دونوں چیزوں کی مطابقت سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے اور اس ترتیب کے ساتھ ہے تو اسے ایک مرتب شکل میں جمع کر لیا۔'

حضرت زید ؓ نے یہ جو فرمایا کہ سورۂ توبہ کی آخری آیات مجھے صرف حضرت ابو خزیمہ ؓ کے پاس ملیں' تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ آیات اس تھیلے ہی میں نہیں تھیں کیونکہ انتظام اس بات کا تھا کہ اس تھیلے میں سے جو کچھ ملے اس کو قرآن کے حافظوں سے ان کے حفظ کردہ حصوں کے ساتھ مطابقت کرنے کے بعد لکھا جائے۔ چنانچہ ان کے قول سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے جو حافظ مجھے ملے ان میں سے سورہ توبہ کی آخری آیات صرف حضرت ابو خزیمہ ؓ انصاری کو یاد تھیں۔ میں نے مقابلہ کرنے کے بعد ان کو درج کر لیا۔

۶۵۔ مصحف عثمانی کیسے تیار ہوا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ حُذَيْفَةَ ابْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلٰى
عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِيْ اَهْلَ الشَّامِ فِيْ فَتْحِ اَرْمِيْنِيَّةَ وَ
اٰذَرْبِيْجَانِ مَعَ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَاَفْزَعَ حُذَيْفَةَ
اِخْتِلَافُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ يَا اَمِيْرَ
الْمُؤْمِنِيْنَ اَدْرِکْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ يَّخْتَلِفُوْا فِي
الْكِتٰبِ اِخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَاَرْسَلَ عُثْمَانُ
اِلٰى حَفْصَةَ اَنْ اَرْسِلِيْ اِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِي
الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا اِلَيْكِ فَاَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ
اِلٰى عُثْمَانَ فَاَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَ
سَعِيْدَ ابْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَّامٍ
فَنَسَخُوْهَا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ
الْقُرَشِيِّيْنَ الثَّلَاثِ اِذَا اخْتَلَفْتُمْ اَنْتُمْ وَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ
فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَاِنَّمَا
نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوْا حَتّٰى اِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي
الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ اِلٰى حَفْصَةَ وَ
اَرْسَلَ اِلٰى كُلِّ اُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِّمَّا نَسَخُوْا وَاَمَرَ بِمَا
سِوَاهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِيْ كُلِّ صَحِيْفَةٍ اَوْ مُصْحَفٍ اَنْ
يُّحْرَقَ ' قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِيْ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدٍ

بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُّ اٰيَةً مِّنَ الْاَحْزَابِ حِيْنَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُبِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنٰهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَاَلْحَقْنٰهَا فِيْ سُوْرَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب آپ اہل اسلام کے لشکر کو اہل عراق کے لشکر کے ساتھ ملا کر آرمینیہ اور آذر بائیجان کی فتح کے لیے تیار کر رہے تھے۔ حضرت حذیفہ؄ اس بات سے سخت پریشان تھے کہ لوگ قرآن کی قرأت میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمان؄ سے کہا کہ اے امیرالمومنین؄! اس امت کی فکر کیجئے اس سے قبل کہ کتاب اللہ کے بارے میں ان کے درمیان وہی اختلاف پیدا ہو جائے جو یہود و نصاریٰ کے درمیان ہوا تھا۔

حضرت عثمان؄ نے (ان کی بات سن کر) حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس قرآن مجید کے جو صحیفے ہیں (یعنی مصحف صدیقی جسے حضرت ابوبکر صدیق؄ نے مرتب کروایا تھا) وہ ہمیں بھیج دیجئے تا کہ ہم اس سے نقل کروا کر دوسرے مصاحف

تیار کرالیں، اس کے بعد ہم یہ اصل صحیفے آپ کو لوٹا دیں گے.....
حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کو بھجوا دیئے اور انہوں
نے چار اصحاب زیدؓ بن ثابت انصاری حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ،
حضرت سعیدؓ بن عاص اور حضرت عبداللہؓ بن حارثؓ بن ہشام کو
اس کام پر مقرر کر دیا کہ وہ اس مصحف صدیقی سے نقل کر کے
مصاحف تیار کریں۔..... مزید برآں ان چار اصحاب میں سے قریش
کے جو تین آدمی تھے (یعنی حضرت زبیرؓ، حضرت سعیدؓ اور عبداللہؓ
) کو یہ حکم دے دیا کہ جب کبھی قرآن کی کسی چیز کے بارے میں
تمہارے اور زیدؓ بن ثابت انصاری کے درمیان اختلاف ہو جائے
تو تم قرآن کو قریش کی زبان کے مطابق لکھنا کیونکہ وہ انہیں کی زبان
میں نازل ہوا ہے۔ ان اصحاب نے ایسا ہی کیا اور جب وہ مصاحف
کی شکل میں قرآن کے (نئے) نسخے تیار کر چکے تو حضرت عثمانؓ نے
مصحف صدیقی حضرت حفصہؓ کو لوٹا دیا اور قرآن کے جو نسخے تیار کئے
گئے تھے ان میں سے ایک ایک مصحف اسلامی مقبوضات کے ہر
علاقے میں بھجوا دیا اور حکم دے دیا کہ اس کے سوا قرآن کا جو کوئی
نسخہ یا صحیفہ کسی کے پاس موجود ہو وہ جلا دیا جائے......(اس روایت
کے راوی) جناب ابن شہاب زہریؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید
ؓبن ثابت کے صاحبزادے حضرت خارجہ بن زیدؒ نے مجھے بتایا کہ
انہوں نے اپنے والد حضرت زیدؓ بن ثابت کو یہ فرماتے سنا ہے کہ
جب ہم یہ مصحف عثمانی لکھنے لگے تھے تو اس وقت مجھے سورہ احزاب
کی وہ آیت نہ ملی جو میں رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے سنا کرتا تھا۔ ہم

نے اس آیت کو تلاش کرنا شروع کیا تو وہ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس ملی۔ وہ آیت یہ ہے: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ..... تب ہم نے اس آیت کو قرآن کے اس نسخے میں اس کی سورت میں داخل کر دیا۔ (بخاری)

حضرت حذیفہ بن یمان کی اس گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ سارے عرب کے لوگوں کو قرآن مجید اپنے اپنے علاقے کے محاورے، لہجے اور تلفظ کے مطابق پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی اس لیے بعد کے زمانے میں جب بڑی بڑی مُہمّات پیش آئیں اور عرب کے مختلف علاقوں کے لوگ جمع ہو کر ایک ایک لشکر میں شامل ہوئے اور پھر مختلف ملکوں میں گئے تو وہاں ان کے درمیان قرآن کی قرأت میں اختلافات پیدا ہونے شروع ہوئے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر حضرت حذیفہ بن یمان سخت پریشان ہوئے اور وہ گھبرائے ہوئے حضرت عثمان کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ اس امت کی فکر کیجئے ورنہ قرآن کے معاملے میں ان کے درمیان ویسے ہی اختلافات پیدا ہو جائیں گے جیسے یہود و نصاریٰ میں توریت و انجیل کے مسئلے میں پیدا ہوئے۔۔۔ چنانچہ حضرت عثمان نے معاملے کی نزاکت کے پیش نظر قرآن کا ایک معیاری نسخہ تیار کرانے کا اہتمام کر دیا۔

حضرت عثمان نے قرآن کے اس معیاری نسخے کے علاوہ دوسرے صحیفوں کو جلانے کا حکم اس لیے دیا کہ جب لوگ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے تو انہوں نے قرآن مجید کو اپنے اپنے قبیلے کی زبان کے مطابق لکھ بھی لیا۔ اگر یہ لکھے ہوئے نسخے بعد میں محفوظ رہتے تو خود حضرت عثمان کے مختلف علاقوں میں بھیجے ہوئے اس مصحف کے بارے میں کہ جس سے نقل کر کے پھر ساری امت میں قرآن پھیلا، مختلف شبہات پیدا ہو جاتے۔ اس لیے جن جن لوگوں نے بھی قرآن مجید کا کوئی حصہ لکھ دیا

تھا، یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس کوئی ایک آیت بھی لکھی ہوئی تھی وہ اس سے واپس لے لی گئی اور پھر جلادی گئی۔ اور ایک عام حکم دے دیا گیا کہ قرآن کا یہ نسخہ جو اب باقاعدہ سرکاری اہتمام میں تیار ہوا ہے یہی اب اصل نسخہ ہے جس کو بھی آئندہ قرآن مجید نقل کرنا ہو وہ اسی نسخے سے نقل کرے۔ اس طرح آئندہ کے لیے قرآن مجید کی کتابت اسی مصحف عثمانی پر موقوف کردی گئی اور باقی تمام صحیفے تلف کر دیئے گئے۔

یہ جو فرمایا کہ ہمیں سورہ احزاب کی ایک آیت صرف حضرت خزیمہؓ انصاری کے پاس ملی تو اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے جو مصحف لکھا گیا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کاغذ زیادہ مضبوط نہیں تھا، اس لیے عین ممکن ہے کہ وہ آیت کسی کمزور کاغذ پر لکھی گئی ہو اور جب اس سے نقل کرنے کی نوبت آئی تو وہ واضح طور پر پڑھی نہیں جاسکی۔ اس لیے اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ پھر یہ دیکھیئے کہ اگرچہ حضرت زیدؓ بن ثابت کو اچھی طرح یاد تھا کہ یہ آیت اس جگہ تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا ضروری سمجھا جس کو یہ آیت یاد ہو تاکہ اس بات کا پورا اطمینان ہو جائے کہ ہاں فی الواقع یہ قرآن کی آیت ہے۔ اس تلاش کے نتیجے میں حضرت خزیمہؓ بن ثابت انصاری کے پاس وہ آیت نکل آئی، تب انہوں نے اس کو درج کیا۔

کتابت و حفاظت قرآن کے معاملے میں صحابہ کرامؓ کی احتیاط کا اندازہ کیجئے کہ یہ بات یاد ہونے کے باوجود کہ میں نے یہ آیت اس وقت مصحف صدیقی میں لکھی تھی، اور یہ بھی کہ میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا ہے لیکن پھر بھی محض اپنے حفظ اور یاد کے اعتماد پر اس کو اس وقت تک لکھا نہیں جب تک کہ ایک آدمی مزید اس بات کی شہادت دینے والا نہ مل گیا کہ ہاں یہ آیت اس جگہ تھی اور یہ

اسی سورت کا حصہ ہے۔

۶۲۔ سورتوں کی ترتیب خود نبی ﷺ کی قائم کردہ ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى اَنْ عَمَدْتُّمْ اِلَى الْاَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمَثَانِيْ وَاِلٰى بَرَاءَةَ وَهِيَ مِنَ الْمِئِيْنَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوْا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُمُوْهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَالِ مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَاْتِيْ عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ تَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ وَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا وَكَانَتِ الْاَنْفَالُ مِنْ اَوَائِلِ مَا نَزَلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانَتْ بَرَاءَةُ مِنْ اٰخِرِ الْقُرْاٰنِ نُزُوْلًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيْهَةً بِقِصَّتِهَا فَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا اَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ اَكْتُبْ سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَالِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ کیا بات ہے کہ آپ نے سورۂ انفال کو سورۂ توبہ کے ساتھ ملا دیا حالانکہ سورہ انفال کی آیتیں 75 ہیں اور سورہ توبہ کی سو سے زیادہ ہیں (اور قرآن مجید کے آغاز میں انہی سورتوں کو رکھا گیا ہے جو سو سے زیادہ آیات پر مشتمل ہیں) اور پھر ان دونوں سورتوں کے درمیان آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی؟..... کیا وجہ ہے کہ آپ نے اس سورہ انفال کو ابتدائی سات بڑی سورتوں کے اندر شامل کر دیا (حالانکہ اس کی آیتیں سو سے کم ہیں)؟...... حضرت عثمانؓ نے جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا قاعدہ یہ تھا کہ لمبی سورتوں کے نزول کے زمانے میں جب آپ ﷺ پر کچھ آیات نازل ہوتی تھیں تو آپ ﷺ کاتبین وحی میں سے کسی کو بلا کر فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح جب کوئی آیت آپ ﷺ پر نازل ہوتی تو آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے۔ اب سورہ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ طیبہ کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئیں اور سورۂ براءۃ (توبہ) آخری زمانے کی سورتوں میں سے ہے' اور ان دونوں سورتوں کا مضمون اگرچہ ایک دوسرے سے مشابہت رکھتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہم سے اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ سورہ انفال سورہ توبہ کا ایک حصہ ہے اس لیے میں نے ان دونوں کو ایک

دوسرے سے الگ الگ رکھتے ہوئے انہیں ساتھ ساتھ بھی رکھا اور ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی، اور اس کو سات بڑی سورتوں کے اندر شامل کر دیا۔ (احمدؒ۔ ترمذیؒ۔ ابوداؤدؒ)

حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ 'اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ سورتوں کے نام کیسے رکھے گئے۔ سورتوں کے ناموں کا تعین اس بات سے نہیں کیا گیا کہ اس میں فلاں فلاں موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ (کیونکہ موضوعات و مضامین کے تنوع کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا) بلکہ مختلف سورتوں کے نام محض علامتوں کے طور پر رکھے گئے۔ مثلاً پہلی سورت کا نام "البقرہ" رکھنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس میں گائے کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے بلکہ یہ نام صرف اس بنا پر رکھا گیا ہے کہ اس میں ایک مقام پر گائے کا ذکر آیا ہے۔

اس حدیث سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے زمانے میں سورتوں کی ترتیب برابر دلواتے جاتے تھے۔ دوسری احادیث جو یہاں نقل کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ یہ بھی بتاتے تھے کہ اس آیت کو فلاں آیت سے پہلے اور فلاں آیت کے بعد رکھو۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک ایک سورت کی ترتیب بھی مکمل کر دی گئی تھی۔ ظاہر بات ہے کہ جب نماز میں قرآن مجید پڑھا جاتا تھا تو اس کی کوئی ترتیب قائم ہوئے بغیر اس کا پڑھنا ممکن نہ تھا۔ جس ترتیب سے رسول اللہ ﷺ مختلف سورتیں لکھواتے تھے اسی ترتیب سے وہ پڑھی جاتی تھیں اور اسی ترتیب سے لوگ انہیں سنتے تھے۔

سورہ انفال اور سورہ توبہ کی باہمی مشابہت اس طرح ہے کہ دونوں جہاد سے متعلق ہیں اور دونوں میں ملتے جلتے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے دونوں میں منافقین پر بھی تنقید ہے اور کفار پر بھی۔ دونوں میں جنگ کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور جہاد کے لیے ابھارا گیا ہے۔ اس طرح مضامین کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں آپس میں قریبی مماثلت رکھتی ہیں۔

اگرچہ ان دونوں سورتوں کو الگ الگ بھی رکھا گیا ہے لیکن ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بھی نہیں لکھی گئی' اس کے متعلق حضرت عثمانؓ نے یہ وضاحت فرمائی کہ مضمون کی مشابہت کی بناء پر ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تو رکھا گیا لیکن ان کو ایک ہی سورت نہیں بنایا گیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ دونوں ایک ہی سورت ہیں۔ پھر چونکہ رسول اللہ ﷺ کے لکھوائے ہوئے صحیفوں میں سورہ توبہ کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھی ہوئی نہیں ملی اس لیے مصحف عثمانی میں بھی یہ نہیں لکھی گئی..... اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید جمع کرنے میں کس قدر احتیاط سے کام لیا اور اس نازک فریضے سے کس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوئے۔